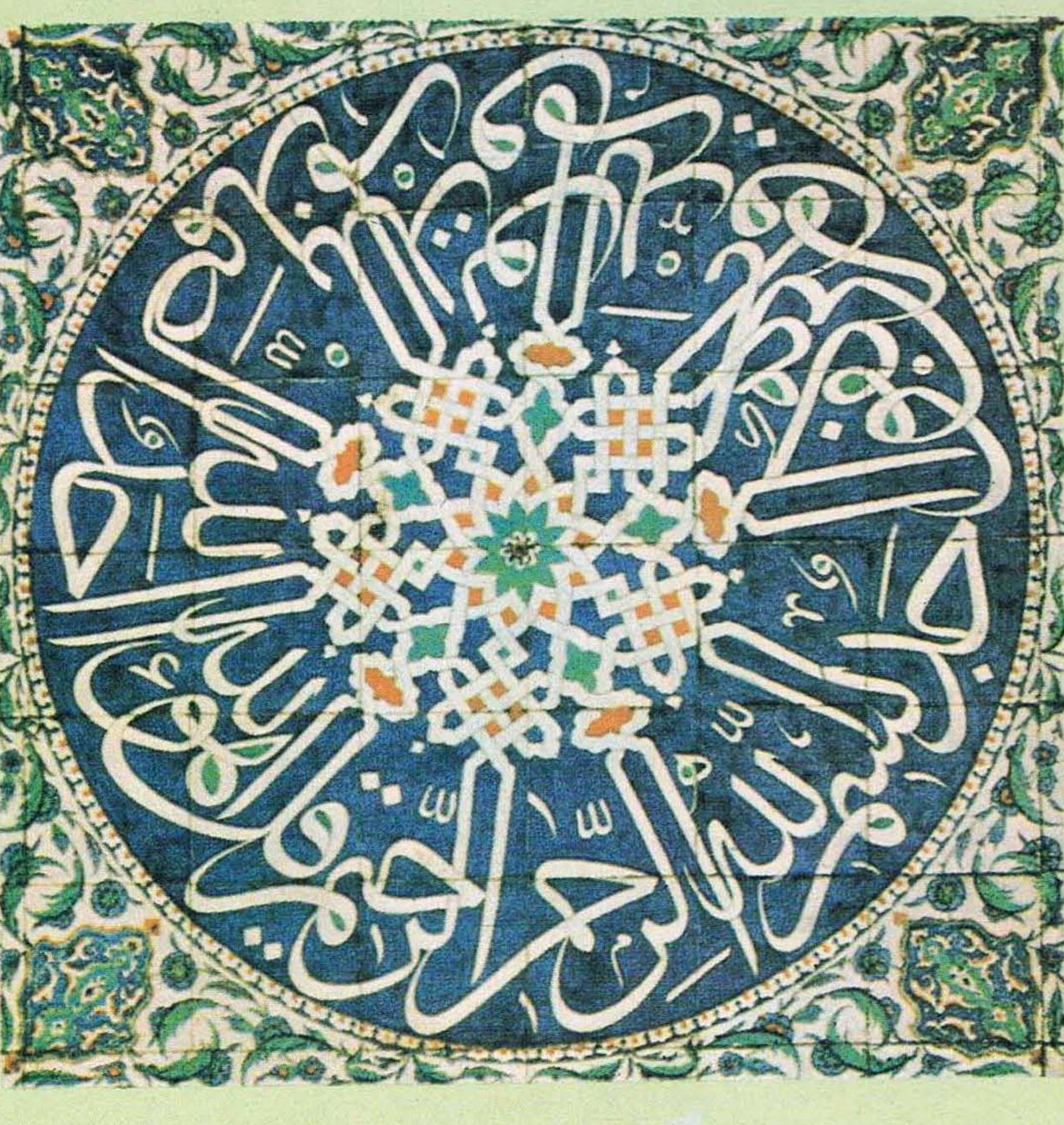
الرسالہ
Al-Risāla

October 1999 • No. 275 • Rs. 9

ہر صبح یہ پیغام لے کر آتی ہے کہ کام کرنے کا ایک
اور قیمتی دن انسان کو دے دیا گیا۔



عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن (مکمل)	400.00
اسلام: ایک تعارف	80.00
اللہ اکبر	45.00
پیغمبر انقلاب	50.00
مذہب اور جدید چیلنج	55.00
عظمت قرآن	35.00
عظمت اسلام	50.00
عظمت صحابہ	7.00
دین کامل	60.00
الاسلام	45.00
ظہور اسلام	50.00
اسلامی زندگی	40.00
احیاء اسلام	35.00
راز حیات	65.00
صراط مستقیم	40.00
خاتون اسلام	60.00
سوشلزم اور اسلام	50.00
اسلام اور عصر حاضر	30.00
الربانیہ	40.00
کاروانِ ملت	45.00
حقیقت حج	30.00
اسلامی تعلیمات	35.00
اسلام دور جدید کا خالق	25.00
حدیث رسول	40.00
سفر نامہ (غیر ملکی اسفار)	85.00
راہ عمل	25.00
تعبیر کی غلطی	80.00
دین کی سیاسی تعبیر	20.00
عظمت مومن	7.00
اسلام ایک عظیم جدوجہد	5.00
تاریخ دعوت حق	5.00

مطالعہ سیرت (کتابچہ)	12.00
ڈائری (جلد اول)	80.00
کتاب زندگی	65.00
اقوال حکمت	25.00
تعمیر کی طرف	8.00
تبلیغی تحریک	20.00
تجدید دین	25.00
عقلیات اسلام	35.00
قرآن کا مطلوب انسان	8.00
دین کیا ہے؟	7.00
اسلام دین فطرت	7.00
تعمیر ملت	7.00
تاریخ کا سبق	7.00
فسادات کا مسئلہ	5.00
انسان اپنے آپ کو پہچان	5.00
تعارف اسلام	5.00
اسلام پندرہویں صدی میں	5.00
راہیں بند نہیں	12.00
ایمانی طاقت	7.00
اتحاد ملت	7.00
سبق آموز واقعات	7.00
زلزلہ قیامت	10.00
حقیقت کی تلاش	8.00
پیغمبر اسلام	5.00
آخری سفر	7.00
اسلامی دعوت	7.00
حل یہاں ہے	10.00
سچا راستہ	8.00
دینی تعلیم	7.00
امہات المومنین	20.00
تصویر ملت	85.00

دعوت اسلام	50.00
دعوت حق	40.00
نشری تقریریں	80.00
دین انسانیت	60.00
فکر اسلامی	50.00
شتم رسول کا مسئلہ	50.00
طلاق اسلام میں	5.00
مضامین اسلام	60.00
حیات طیبہ	7.00
باغ جنت	7.00
نار جہنم	7.00
خلیج ڈائری	10.00
رہنمائے حیات	7.00
تعدد ازدواج	7.00
ہندستانی مسلمان	50.00
روشن مستقبل	7.00
صوم رمضان	7.00
اسلام کا تعارف	4.00
علما اور دور جدید	8.00
سفر نامہ اسپین و فلسطین	60.00
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	12.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	8.00
یکساں سول کوڈ	5.00
اسلام کیا ہے؟	8.00
میوات کا سفر	35.00
قیادت نامہ	35.00
مطالعہ سیرت	60.00
منزل کی طرف	4.00
اسباق تاریخ	85.00

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

Al-Risāla

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market,
New Delhi-110013
Tel. 4625454, 4611128
Fax 4697333, 4647980
skhan@vsnl.com
http://www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 9
One year Rs. 100. Two years Rs. 195
Three years Rs. 290. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: Kaleem@alrisala.org

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

اکتوبر 1999 شمارہ نمبر 275

فہرست

مشاہدۂ خداوندی

قال رسول الله ﷺ : اهل الجنة فی نعیمهم اذسطع علیهم نور فرفعوا رؤسهم فاذا الرب تبارك وتعالی قد اشرف علیهم من فوقهم. فقال السلام علیکم یا اهل الجنة. وذالك قوله تعالی (سلام قولا من رب الرحیم) قال فینظر الیهم وینظرون الیه . فلا یلتفتون الی شئ من النعیم ما داموا ینظرون الیه حتی یحتجب عنهم (ابن ماجه) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے کہ ان کے اوپر ایک روشنی نمودار ہوگی۔ وہ اپنا سر اٹھائیں گے۔ اچانک وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب ان کے اوپر جلوہ گر ہے۔ وہ کہے گا کہ اے اہل جنت، تم پر سلامتی ہو۔ یہ وہی قول خداوندی ہے جس کا ذکر قرآن (یٰس ۵۸) میں ہے۔ پھر اللہ انھیں دیکھے گا اور وہ اللہ کو دیکھیں گے، وہ کسی دوسری نعمت کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ ان سے حجاب میں چلا جائے۔

یہ سب سے زیادہ عجیب تجربہ ہے جو اہل جنت کو ہوگا۔ یہ اتنا زیادہ پرکشش ہوگا کہ اس وقت جنت کے لوگ دوسری تمام اعلیٰ ترین نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ وہ خدا جو خود اپنی ذات پر قائم ہے۔ جس نے تمام چیزوں کو عدم سے وجود بخشا۔ جو پوری کائنات کو اپنے کنٹرول میں لئے ہوئے ہے۔ جس کا علم تمام چیزوں پر محیط ہے۔ جس کی قدرت سب سے بالا اور سب سے برتر ہے۔ جو ہر قسم کے حسن اور کمال اور معنویت کا ابدی سرچشمہ ہے۔ جو انسان کی ہر سوچ سے بلند اور اس کے ہر تصور سے ماورا ہے۔ ایسے جلال و کمال والے خدا کا مشاہدہ بلاشبہہ ایک ایسا بے مثال تجربہ ہوگا جس کو بیان کرنے کے لئے کوئی لفظ انسانی زبان میں نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی روح اسی رب العالمین کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہے۔ موجودہ آنکھ سے انسان اس ہستی کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر آخرت میں انسان کو وہ آنکھ حاصل ہو جائے گی جس سے وہ اس برتر ہستی کو دیکھے اور اپنی روح کو ابدی تسکین دے سکے۔

رسول کی سنت

عن عائشة ، قالت : ماخُير رسول الله ﷺ بين امرين قطُّ الا اخذ ايسر هما مالم يكن اثما، فان كا ن اثما كان ابعد الناس منه (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ دونوں میں سے آسان کو اختیار کرتے جب تک کہ وہ گناہ نہ ہو۔ پس اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے۔

اس حدیث میں ''ایسر'' کا لفظ سادہ طور پر محض سہل کے معنی میں نہیں ہے۔ آپ کے حالات بتاتے ہیں کہ آپ سہولت پسندی سے بہت دور تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی قربانی اور جفاکشی کی اعلیٰ سطح پر گزاری۔ ایسی حالت میں اس حدیث کو سہولت پسندی کے معنی میں کیسے لیا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں ''ایسر'' کا لفظ زیادہ قابل عمل کے معنی میں ہے۔ حضرت عائشہ کی یہ روایت بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ممکن دائرہ میں کوشش کرنے کا تھا نہ کہ غیر ممکن دائرہ میں غیر ضروری طور پر اپنے وقت اور اپنی قوت کو ضائع کرنے کا۔

زندگی میں ہمیشہ دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک ہے ممکن سے آغاز، اور دوسرا ہے ناممکن سے آغاز۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ناممکن کو چھوڑ کر ممکن میں اپنی قوت صرف فرماتے تھے۔

مکہ کے ابتدائی سالوں میں ایک طریقہ کھلم کھلا تبلیغ کا تھا اور دوسرا خفیہ تبلیغ کا۔ آپ نے تین سال تک کھلم کھلا تبلیغ کو چھوڑ کر خفیہ تبلیغ کا طریقہ اختیار فرمایا۔ مکہ میں جب لوگوں نے مخالفت اور ایذا رسانی شروع کی تو ایک طریقہ جوابی کارروائی کا تھا اور دوسرا اعراض کا۔ آپ نے جوابی کارروائی کا طریقہ چھوڑ کر اعراض کا طریقہ اختیار فرمایا۔ مکی دور کے آخر میں لوگ آپ کے

قتل کے درپے ہوگئے۔ اب ایک طریقہ ان سے لڑنے کا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مکہ کو چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے لڑائی کو چھوڑ کر مکہ سے چلے جانے کا طریقہ اختیار فرمایا۔ ہجرت کے بعد آپ کے سامنے ایک طریقہ جنگ کو جاری رکھنے کا تھا اور دوسرا طریقہ صلح کر لینے کا۔ آپ نے جنگ کے طریقہ کو چھوڑ کر یک طرفہ شرائط پر صلح کر لینے کا طریقہ اختیار فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو کامیابیاں حاصل کیں وہ اسی اصول کے ذریعہ حاصل کیں۔ آئندہ بھی جو لوگ کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہیں انھیں بھی اسی سنت رسول کی پیروی کرنا چاہئے۔ اس کے سوا اس دنیا میں کامیابی کا کوئی اور طریقہ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ میں مخالفین سے ٹکراؤ کا طریقہ چھوڑ کر ہجرت کا طریقہ اختیار فرمایا تو یہ اختیار ایسر کی ایک نہایت واضح مثال تھی۔ اس وقت آپ کے سامنے دو صورتیں تھیں۔ ایک تھی ــــ مکہ میں رہ کر اپنے دعوتی کام کو جاری رکھنا۔ اور دوسری صورت تھی ــــ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانا۔ پہلی صورت کا انتخاب گویا مشکل کا انتخاب (اختیار اعسر) کے ہم معنی تھا۔ اور دوسری صورت کا انتخاب آسان کا انتخاب (اختیار ایسر) کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے مشکل کو چھوڑ کر آسان کو اختیار فرمایا۔

اس اصول کو دوسرے لفظوں میں حکیمانہ تدبیر بھی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ یہ ممکن ہو گیا کہ اسلامی دعوت کا کام بلا روک ٹوک جاری رہے۔ جبکہ اگر آپ پہلی صورت کا انتخاب فرماتے تو دعوت کا کام شاید معطل ہو جاتا۔ دعوت کے بجائے جنگ اور ٹکراؤ کا عمل شروع ہو جاتا۔ مشکل کا انتخاب صرف اس وقت کیا جائے گا جب کہ کوئی دوسرا چوائس نہ ہو۔ لیکن اگر مشکل اور آسان میں سے ایک لینا ہو تو مشکل کو چھوڑ کر آسان کو اختیار کیا جائے گا۔

کسی منصوبہ کی تکمیل کے لئے مذکورہ حکیمانہ تدبیر انتہائی طور پر ضروری ہے۔ اگر اس حکمت کا لحاظ نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ قربانیوں کی تاریخ بن جائے، مگر مثبت تعمیر کی تاریخ کبھی نہیں بن سکتی۔

زندگی اور کائنات

انسان جب اپنے گردوپیش کو دیکھتا ہے تو وہ پاتا ہے کہ یہاں ایک وسیع کائنات موجود ہے۔ یہ مشاہدہ اس کو اس یقین کی طرف لے جاتا ہے کہ جب یہاں ایک وجود ہے تو اس کا ایک موجد بھی ضرور ہونا چاہئے۔ اس طرح وجود کو ماننا اسے خالق وجود کو ماننے پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ مزید غور کرتا ہے تو وہ پاتا ہے کہ کائنات کا کارخانہ انتہائی بامعنی کارخانہ ہے۔ اس کی ہر چیز میں حکمت اور معنویت ہے۔ یہ احساس اس کے یقین کو مزید آگے بڑھاتا ہے۔ وہ یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کائنات کا جو خالق ہے وہ اس اعلیٰ صفت سے متصف ہے جس کو ذہن کہا جاتا ہے۔ کائنات کی معنویت یہ ماننے پر مجبور کر دیتی ہے کہ اس کے پیچھے ایک اعلیٰ ذہانت کی کارفرمائی ہے۔

اب انسان کے سامنے ایک اور سوال آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ اس تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ انسان اس زمین پر کیوں بسایا گیا ہے۔ انسان مر کر ختم ہو جاتا ہے یا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ یہاں وہ عاجز ہے۔ ان سوالات کے جوابات کے لئے جو معلومات درکار ہیں، وہ اس کے پاس موجود نہیں۔ اس سوال کا حقیقی جواب وہی شخص دے سکتا ہے جو دکھائی دینے والی دنیا سے آگے دیکھتا ہو۔ جس کا ادراک محسوس سے گزر کر غیر محسوس تک پہونچ گیا ہو۔ انسان اپنی محدودیت کی بنا پر اس سوال کا صحیح جواب متعین نہیں کر سکتا۔

یہاں پیغمبر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ تمام پیغمبر انسان کو یہی رہنمائی دینے کے لئے آئے۔ تاہم پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات محفوظ نہ رہ سکیں۔ اب پیغمبر آخر الزماں ﷺ ہی پیغمبرانہ رہنمائی کا واحد مستند ذریعہ ہیں۔ جو آدمی اپنی زندگی اور اس کے انجام کے بارہ میں سنجیدہ ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ آپ کی تعلیمات کا مطالعہ کرے اور اس پر غور کر کے اپنے لئے راہ عمل کا تعین کرے۔

جنت کی قیمت

جنت اس سے زیادہ قیمتی ہے کہ کسی انسان کا عمل جنت کی قیمت بن سکے۔ انسان کا ہر عمل ناقص ہوتا ہے۔ جب کہ جنت ایک کامل اور معیاری دنیا ہے۔ پھر ایک ناقص چیز ایک کامل چیز کا بدل کیسے بن سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تمام انسانوں کے اعمال صالحہ کسی ایک شخص کو دے دیئے جائیں تب بھی وہ اس شخص کے لئے جنت کی قیمت نہیں بنیں گے۔ کیوں کہ تمام انسانوں کے اعمال کا مجموعہ بھی بہر حال محدود ہوگا۔ جب کہ جنت لامحدود اور ابدی ہے۔ پھر کوئی محدود چیز اس کی قیمت کس طرح بن سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جنت کس کو ملے گی۔ جنت اس شخص کو ملے گی جس کو خدا جنت دینا چاہے۔ جنت کسی انسان کے لئے سراسر خدا کا عطیہ ہوگی، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

پھر وہ کون خوش قسمت انسان ہے جس کو خدا اس لئے چنے گا کہ اس کو اپنی قیمتی جنت کا باشندہ بنائے۔ یہ وہ انسان ہے جس نے اپنے اندر اس شخصیت کی تعمیر کی جو جنت کی لطیف دنیا میں بسائے جانے کے قابل ہو۔ بادشاہ کے محل کا ایک ملازم بادشاہ کے محل کی قیمت ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ صفائی اور سلیقہ کے اعتبار سے اس قابل ہو کہ وہ شاہی محل کے آداب کے مطابق وہاں رہ سکے تو اس کو محل میں داخلہ کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

یہی معاملہ زیادہ بڑے پیمانہ پر جنت کا ہے۔ جنت کی لطیف اور نفیس کالونی اتنی زیادہ قیمتی ہے کہ کوئی بھی اس کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ وہاں جو انسان بھی رہے گا وہ اللہ کی اجازت کی بنیاد پر وہاں رہے گا۔ مگر یہ اجازت صرف ان لطیف روحوں کو دی جائے گی جو جنت کی لطیف دنیا میں رہنے بسنے کے قابل ہوں۔

موجودہ دنیا میں انسان کا اصل کام یہی ہے کہ وہ اپنے اندر اس لطیف شخصیت کی تعمیر کرے۔ جن لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ اعلیٰ شخصیت پائی ان کو وہ جنت میں داخل کردے گا۔

حقیقی انسان

اس دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ایک حقیقی انسان ہے۔ مگر انسانوں کے ہجوم میں یہی قیمتی چیز اتنی کم یاب ہے کہ ساری تاریخ میں شاید بہت کم انسان ایسے نظر آئیں جن کو واقعی معنوں میں حقیقی انسان کہا جاسکے۔

حقیقی انسان وہ ہے جو تمام ذہنی پردوں کو پھاڑ کر چیزوں کو ویسی ہی دیکھے جیسی کہ وہ ہیں۔ جو اپنے بارے میں اور دوسرے کے بارے میں یکساں طور پر بے لاگ رائے قائم کر سکے۔ جو بولے تو اس کا بولنا حقیقت واقعہ کا اعتراف ہو، جو عمل کرے تو اس کا عمل حقیقت واقعہ سے مطابقت رکھنے والا ہو۔ حقیقی انسان بننا ہمیشہ ایک مشکل ترین قربانی کی قیمت پر ہوتا ہے۔ یہ نفسیاتی قربانی ہے۔ لوگ نفسیاتی قربانی کی قیمت ادا نہیں کرتے اس لئے وہ حقیقی انسان بھی نہیں بنتے۔

حقیقی انسان وہ ہے جو سطحیت، خود غرضی، جھوٹے وقار اور رد عمل کے احساسات سے اپنے آپ کو اوپر اٹھا سکے۔ جو اختیار کے باوجود اپنے آپ کو بے اختیار کرنے کے لئے تیار ہو۔ جو اشتعال انگیزی کے باوجود مشتعل ہونا نہ جانے۔ جو شکایت کے باوجود انصاف کی بات کہے۔ جو ذاتی تقاضوں کو کچل کر حق کی حمایت کرے۔ جو شخصی مفاد پر کھڑا ہونے کے بجائے برتر اصول کی بنیاد پر کھڑا ہونے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ جو نفرت کے حالات میں محبت کرے اور جنگ کے حالات میں صلح پر راضی ہو جائے۔

لوگ اپنی ذات کے لئے جیتے ہیں، حقیقی انسان وہ ہے جو مقصدِ حق کے لئے جیئے۔ لوگ دوست کے لئے دوست اور دشمن کے لئے دشمن ہوتے ہیں، حقیقی انسان ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے، چاہے وہ اس کا دوست ہو یا اس کا دشمن۔ لوگ ماحول کے مطابق سوچتے ہیں اور ماحول کے اثر کے تحت اپنا عمل کرتے ہیں، حقیقی انسان فطرت کی سطح پر سوچتا ہے، وہ فطرت کے زیر اثر اپنا سارا عمل کرتا ہے۔

اضداد کا مجموعہ

ہر آدمی کے اندر "میں" کا جذبہ ہے۔ میں کو بے قید چھوڑ دیا جائے تو آدمی سرکش بن جاتا ہے۔ اور اگر اس کی میں کو کچل دیا جائے تو وہ ایک بے حمیت انسان بن جائے گا۔ دونوں ہی صورتوں میں وہ ایک غیر مطلوب انسان ہوگا جو انسانیت کے لئے ایک بوجھ ہے، وہ انسانیت کے لئے کوئی سرمایہ نہیں۔

میں ایک نہایت قیمتی جذبہ ہے۔ اس سے آدمی کے اندر یقین، حوصلہ، عزم، جرأت، خود اعتمادی اور مقصدی لگن جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔ میں کا جذبہ نہ ہو تو یہ تمام اعلی انسانی اوصاف ختم ہو جائیں۔ مگر یہی میں ہے جو بڑھ کر سرکشی اور تکبر اور انانیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ تمام بری چیزوں میں سب سے زیادہ بری چیز بن جاتا ہے۔

صحیح اور مطلوب انسان وہ ہے جو معتدل انسان ہو۔ جس کے اندر میں کے ساتھ نفی ذات بھی ہو۔ نہ ماننے کے ساتھ ماننے کا جذبہ بھی ہو۔ جرأت کے ساتھ تواضع بھی ہو۔ خود اعتمادی کے ساتھ نرم دلی بھی ہو۔ آگے بڑھنے کے ساتھ پیچھے ہٹنے کا مزاج بھی ہو۔ وہ تنقید کرنے کے ساتھ تنقید سننا بھی جانتا ہو۔ وہ فتح پر خوش ہونے کے ساتھ شکست کو تسلیم کرنا بھی جانتا ہو۔ وہ مقابلہ کے میدان کا مرد ہونے کے ساتھ صبر و اعراض کا پہلوان بھی ہو۔ وہ جوش کا مالک ہونے کے ساتھ ہوش کا سرمایہ بھی رکھتا ہو۔

بظاہر یہ ایک ایسا انسان ہے جو اضداد کا مجموعہ ہے۔ مگر مجموعۂ اضداد انسان ہی دراصل کامل انسان ہوتا ہے۔ یہی وہ انسان ہے جو حقیقی معنوں میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ یہی تاریخ ساز انسان ہے۔ یہی انسان نسل انسانی کا حاصل ہے۔ ایسے انسان نہ ہوں تو نسل انسانی سرے سے بے معنی ہو کر رہ جائے۔ زندگی کی تمام حقیقی سرگرمیاں اسی وقت وجود میں آتی ہیں جب کہ اس قسم کے اعلیٰ انسان سماج میں پائے جاتے ہوں۔

تکمیل آرزو

مشہور آرٹسٹ فدا حسین اگر چہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے مگر اپنی محنت اور فطری لیاقت کے ذریعہ انھوں نے مصوری کے فن میں غیر معمولی ترقی حاصل کی۔ ان کی شہرت سب سے زیادہ اس وقت بڑھی جب بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں ایک نمائش کے دوران ایک بیرونی کمپنی نے ان کی ایک تصویر پانچ لاکھ روپیہ میں خریدی۔ اس کے بعد وہ ہندستان کے عظیم ترین مصور کہے جانے لگے۔

ٹائمس آف انڈیا (٦ ر اکتوبر ۱۹۹۰) میں ان سے ملاقات کی ایک روداد شائع ہوئی ہے۔ مسٹر پال نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی چیز ہے جس سے آپ خوفزدہ ہوں۔ ۷۵ سالہ فدا حسین نے جواب دیا کہ نہیں۔ مگر کبھی کبھی مجھے عجیب قسم کی مایوسی ہوتی ہے وہ یہ کہ عین اس وقت جب کہ مجھے پینٹنگ میں کچھ درک حاصل ہوا، جب میں اس کے رازوں کو جاننے لگا تو میرے لئے اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا۔ ابھی بہت سی چیزیں ہیں جن کو مجھے پینٹ کرنا ہے۔ اب بھی میں خیالات سے بھرا ہوا ہوں:

At times, there is a strange sadness though. That just when I have got a grip over painting, when I have begun to grasp its mystery, it is time to pack up. There is so much I can still paint. I am still so full.

یہی اس دنیا میں ہر انسان کا معاملہ ہے۔ آدمی بے پناہ آرزوؤں اور حوصلوں کو لے کر دنیا میں آتا ہے۔ وہ رات دن محنت کرتا ہے مگر اس کی آرزوؤں کی تکمیل نہیں ہوتی کہ موت کا وقت آجاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، ہر ایک غیر تکمیل شدہ حوصلوں کا ایک مزار ہے۔ یہ اس بات کا ایک سبق ہے کہ موجودہ دنیا صرف جدوجہد کی جگہ ہے۔ وہ پانے کی جگہ نہیں۔

زندگی کی تعمیر

۲۲دسمبر ۱۹۸۴کو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور انھوں نے علم معاشیات کا خصوصی مطالعہ کیا تھا، انھوں نے کہا کہ میں "آخری سچائی" صرف انسانی مفاد کو سمجھتا ہوں۔ میری دلچسپی کا موضوع موجودہ دنیا کے مسائل ہیں۔ انسان کی آج کی زندگی کو کیسے بہتر بنایا جائے، بس یہی سوال میرے نزدیک اصل سوال ہے اور میں اسی کا جواب پانا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا کہ اگر آپ فرد کے مفاد کے حصول کو اصل قرار دیں تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ فرد کی اپنی رائے ہی اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ وہ کس چیز کو اپنا مفاد سمجھتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ مہلک اور کوئی چیز نہیں۔ اگر آپ ہر فرد کو کھلی اجازت دے دیں کہ وہ جس چیز کو اپنا مفاد سمجھتا ہے اس کو وہ بے روک ٹوک حاصل کرے تو اس کے بعد جو چیز وجود میں آئے گی وہ ایک خود غرضانہ سماج ہوگا۔ یہ ایسا سماج ہوگا جہاں ہر آدمی کا مفاد دوسرے کے مفاد سے ٹکرا رہا ہو۔

اور اگر پوری انسانیت کے مجموعی مفاد کو اصل قرار دیا جائے تو سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ انسانیت کا مجموعی مفاد کیا ہے۔ جب تک یہ بات متفقہ طور پر طے نہ ہو جائے، کوئی عملی منصوبہ نہیں بنایا جا سکتا۔

مگر یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی محدودیت کی وجہ سے یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ انسانیت کا مجموعی مفاد کیا ہے۔ اس کو جاننے کے لئے جن علوم سے کامل واقفیت درکار ہے وہ کسی ایک دماغ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ انسان کی عمر بھی محدود ہے اور اس کی عقلی صلاحیتیں بھی محدود۔ ایسی حالت میں یہ مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ انسان کبھی بھی حقیقی طور پر یہ دریافت کر سکے کہ پوری انسانیت کا مجموعی مفاد کیا ہے۔

فرد کے مفاد کو اہمیت دینا خود غرضی تک لے جاتا ہے اور مجموعی انسانیت کے مفاد کی تلاش تشکیک تک۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے یقین کا ذریعہ پیغمبر کی رہنمائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

منصوبۂ حیات

آہ، زندگی مجھے صرف ایک بار ملی تھی، مگر میں کیسانادان تھاکہ اس ایک بار ملی ہوئی زندگی کو بھی میں نے کھو دیا ـــــ یہ احساس ایک ناقابل برداشت درد بن کر اس وقت آدمی کے اوپر چھاجائے گاجب کہ وہ موجودہ مرحلۂ حیات سے گزر کر موت کے دروازہ پر پہنچے گا۔

یہاں وہ اپنے ایک دورحیات کاخاتمہ اوراپنے دوسرے دورحیات کا آغاز دیکھے گا۔اس کے پیچھے وہ دنیا ہوگی جہاں وہ اپنے قیام کی مدت پوری کرچکا۔اوراس کے آگے وہ آخرت ہوگی جہاں اب اس کواپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنے کے لئے داخل کردیا جائے۔اس وقت آدمی سوچے گاکہ دنیا کی زندگی کی صورت میں اس کوکتنا قیمتی موقع ملا تھا جس کواستعمال کر کے وہ اپنے اخروی مستقبل کی تعمیر کرسکتا تھا۔مگر وہ اس موقع کواپنے حق میں استعمال نہ کرسکا۔یہ تلخ یاد حسرت کاایک سلگتا ہوا آتش فشاں بن کر آدمی کے سینہ میں دہکتا رہے گااوراس کے بعد کبھی وہ ٹھنڈا نہ ہوگا۔

جو آدمی بھی اس دنیامیں پیدا ہوا ہے اس کے لئے سب سے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ وہ اپنے بارے میں خالق کے منصوبہ کو سمجھے۔انسان کیوں پیدا ہوتا ہے۔کیوں اس کو مختلف قسم کا سامان حیات دیا جاتا ہے۔پھر کیوں ایساہے کہ ایک محدودمدت گزار کر ہر آدمی لازمی طور پر موت سے دوچار ہوتا ہے۔یہ سب کیوں ہے۔زندگی کے اس نقشہ کی معنویت کیاہے اوراس کا آخری انجام کیاہے۔کون سی روش کامیابی کی طرف لے جاتی ہے اور کون سی روش ناکامی کی طرف۔ان باتوں کو جاننا ہر آدمی کا پہلا مسئلہ ہے، خواہ وہ عالم ہویا جاہل۔غریب ہویا امیر۔کمزور ہویا طاقتور۔ وہ اہم شخصیت ہویاغیر اہم شخصیت۔ہر حال میں اور ہر ایک کے لئے یکساں طور پر یہ سوال سب سے بڑاسوال ہے۔اوراس سوال کاجواب معلوم کرنااس کی سب سے پہلی ترجیح۔

ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ موت سے پہلے خالق کے منصوبۂ حیات کو جان لے۔موت سے پہلے اس کوجاننا راہ عمل کو جاننا ہے اور موت کے بعد اس کو جاننا نتیجۂ عمل کو جاننا۔

فتح کے باوجود

مکہ پیغمبرؐ اسلام کا وطن تھا۔ مگر وہاں کے لوگوں نے آپ کو اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ظلم اور تشدد اور سرکشی کی تقریباً ۲۰ سالہ تاریخ ہے جس سے آپ کو مجبورانہ طور پر گذرنا پڑا۔ آخر کار حالات بدلے اور رمضان ۸ ھ میں مکہ فتح ہو گیا۔ جس شہر سے آپ مظلومانہ نکلے تھے اسی شہر میں آپ دوبارہ فاتحانہ داخل ہوئے۔

مگر اس وقت آپ کے دل کی جو کیفیت تھی وہ اس سے بالکل مختلف تھی جو دنیا کے عام فاتحین کے یہاں نظر آتی ہے۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ مکہ میں داخلہ کے وقت آپ ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حالت یہ تھی کہ آپ اس وقت سراپا تواضع بنے ہوئے تھے۔ اللہ کے غیر معمولی شکر کے احساس نے آپ کو جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھی اونٹ کے کجاوا کو چھونے لگی۔ (سیرت ابن ہشام ۴؍۲۴)

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں داخل ہو کر آپ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور مخالف گروہوں کو تنہا شکست دی (لا اله الا الله وحده، لاشريك له ، صدق وعده ، ونصر عبده ، وهزم الاحزاب وحده) صفحہ ۳۳

فتح وہ موقع ہے جب کہ لوگ خوشی مناتے ہیں، فخر کرتے ہیں، اپنی کامیابی کا جشن مناتے ہیں۔ مگر اس قسم کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کی نظر اپنے آپ پر ہوتی ہے۔ جو فتح کو خود اپنا ایک کارنامہ سمجھتے ہیں۔ لیکن پیغمبر اسلام کی نفسیات اس سے بالکل مختلف تھی۔ ان کے لئے فتح کا واقعہ ان کا اپنا کارنامہ نہ تھا۔ وہ مکمل طور پر خدا کی طرف سے ظاہر ہونے والا ایک واقعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو بظاہر ان کا اپنا کارنامہ تھا، اس کو انھوں نے مکمل طور پر خدا کے خانہ میں ڈال دیا۔

ایک واقعہ

کہا جاتا ہے کہ شیخ حسن البنا ایک بار سابق شیخ الازہر الشیخ المراغی سے ملے۔ دونون کے درمیان مسلمانوں کی حالت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ شیخ مراغی نے کہا کہ ان کی لڑکی ٹرین سے سفر کر رہی تھی۔ اس دوران اس کی ملاقات غیر قوم کی ایک خاتون سے ہوئی۔ دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ غیر قوم کی خاتون نے ایک صحابی کا ذکر کیا اور بہت سی باتیں کیں۔ اس سے شیخ مراغی کی لڑکی کے اندر مذکورہ صحابی کے بارے میں جاننے کا زبردست شوق پیدا ہوا۔ سفر سے واپسی کے بعد لڑکی نے مذکورہ صحابی کے بارے میں کوئی کتاب مانگی۔ والد نے اپنی لڑکی سے کہا کہ میں لمبے عرصے سے صحابہ کرام اور ان کی تاریخ اور ان کے کارناموں کے بارے میں تم کو بتا رہا ہوں۔ مگر تم نے میری بات کو اہمیت نہ دی۔ یہاں تک کہ جب اجنبی قوم کی وہ خاتون آئی اور اس نے صحابی مذکور پر گفتگو کی تو تم نے اس کی بات کو بہت توجہ کے ساتھ سنا اور اس کی گفتگو نے تم کو متاثر کر لیا۔

شیخ مراغی نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حسن البنا سے کہا، اے شیخ حسن، کیا ہم حق کو اس وقت مانیں گے جب تک دوسری قوم کے لوگ اس کو نہ مان لیں۔ کیسی عجیب بات ہے (اترانا یا شیخ حسن لن نسلم حقاً الا إذا أسلم الاجنبی اولاً ، شیٔ عجیب)۔ الثقافہ دیوبند ۱۹۸۳

اس واقعہ کو دیکھنے کے دو زاویے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو غیرت قومی کی نظر سے دیکھا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کو داعیانہ نظر سے دیکھا جائے۔ دونوں زاویے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ قومی غیرت کی نظر سے دیکھنے میں آدمی کے اندر وہی تاثر پیدا ہوگا جو شیخ مراغی کے جملہ میں نظر آتا ہے۔ لیکن داعیانہ نظر سے دیکھئے تو صورت حال بالکل بدلی نظر آئے گی۔ اب دیکھنے والا اس کو مسئلہ غیرت کے طور پر نہیں دیکھے گا بلکہ اس کو امکان دعوت کے طور پر دیکھے گا وہ کہے گا کہ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ غیر مسلموں میں اسلام کے مطالعہ کا نیا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ آؤ ہم اس شوق کو استعمال کریں اور اسلامی لٹریچر کو ساری دنیا میں پھیلا دیں۔

زبان کا استعمال

عربی کا ایک مقولہ ہے: عیّ صامت خیر من عیّ ناطق (خاموش عاجز بولنے والے عاجز سے بہتر ہے) یعنی ایک آدمی کو بولنا نہیں آتا اس بنا پر وہ چپ رہا، تو ایسا شخص اس آدمی سے بہتر ہے جس کے اندر بولنے کا سلیقہ نہ تھا اس کے باوجود وہ بولا اور بات کو بگاڑ دیا۔

اس حقیقت کو حدیث میں زیادہ بہتر طور پر اس طرح کہا گیا ہے کہ ــــــ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ بولے تو درست بات بولے ورنہ چپ رہے (من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت) صحیح البخاری، کتاب الادب۔

بولنا اپنی ذمہ داری کا اظہار ہے۔ سچا بولنے والا وہ ہے جس کے ذمہ داری کے احساس نے اس کو بولنے پر مجبور کیا ہو۔ جس بولنے میں اس قسم کا جذبہ شامل نہ ہو وہ حقیقی معنوں میں بولنا نہیں ہے بلکہ خدا کی دی ہوئی صفت نطق کا بے جا استعمال ہے۔ اسلام میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان میں سے ایک اصراف ہے۔ یعنی خدا کی دی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کو غیر ضروری طور پر خرچ کرنا۔ نطق بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ نطق کی صلاحیت کا مصرفانہ استعمال ایک ایسا فعل ہے جس پر خدا کے یہاں سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

اس قسم کے استعمال پر خدا کی طرف سے پکڑ کا اندیشہ ہے نہ کہ انعام کی امید۔ آدمی کو اگر واقعۃً احساس ہو کہ نطق کی عظیم صلاحیت جو اس کو دی گئی ہے۔ وہ ایک مقصد خاص کے تحت دی گئی ہے اور وہ مقصد خاص یہ ہے کہ آدمی اپنی اس صلاحیت کو امر حق کے اظہار میں صرف کرے تو کبھی وہ غیر ذمہ دارانہ گفتگو کی غلطی نہیں کر سکتا۔ وہ بولے گا تو وہی بات بولے گا جو بولنے کے قابل ہے۔ اور اگر اس کے پاس بولنے کے قابل کوئی بات نہ ہو تو وہ چپ رہے گا، نہ کہ غیر ضروری طور پر بے فائدہ کلام کرنے لگے۔ بولنا اگر کام ہے تو چپ رہنا بھی ایک کام ہے۔ خدا کے یہاں اگر بولنے پر اجر ہے تو خدا اس انسان کو بھی اجر دے گا جس کے احساس ذمہ درای نے اس کو بولنے سے روک دیا۔

خاموش منصوبہ

ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مہم پر جارہے تھے۔ راستہ میں کچھ لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر پکارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ اے لوگو، خاموشی کا طریقہ اختیار کرو۔ تم جس خدا کو پکار رہے ہو وہ بہرا یا غائب نہیں ہے۔ وہ تمہارے قریب ہے اور سب کچھ سنتا اور جانتا ہے (بخاری و مسلم)

اسی طرح ۹ھ میں جب آپ اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے مکمل خاموشی اور رازداری کا طریقہ اختیار فرمایا جس کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس مہم کے دوران آپ نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ آپ کی اس دعا کے الفاظ میں واضح طور پر جھلک رہا ہے۔ آپ نے دعا کرتے ہوئے کہا۔ اے اللہ، میری کوئی خبر قریش کو اس وقت تک پہنچنے نہ دے جب تک میں ان کی بستیوں میں داخل نہ ہو جاؤں۔

اس طرح کے واقعات بتاتے ہیں کہ پیغمبر کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی مقصد کو حاصل کرنا ہو تو اس کی ساری منصوبہ بندی رازدری کے ساتھ ہونی چاہئے۔ فریق ثانی کے خلاف اقدام اس طرح کیا جانا چاہئے کہ اس کو صرف اس وقت خبر ہو جب کہ واقعہ عملاً ہو چکا ہو۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ رازداری سے مدد لو۔ یہ بے حد اہم ہدایت ہے۔ رازدری ایک مددگار ہتھیار ہے۔ جو لوگ اس پر امن ہتھیار کو استعمال کریں وہ ہمیشہ اپنے منصوبہ کی تکمیل میں کامیاب رہیں گے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ایک لفظ میں اس کو خاموش منصوبہ کہا جا سکتا ہے۔ یعنی شور و غل کے طریقہ سے مکمل پرہیز کرتے ہوئے فریق ثانی تک اس طرح پہنچنا کہ پیشگی طور پر اس کو اس کی اطلاع نہ مل سکے۔ اور اس کے لئے جوابی تیاری کرنا ممکن نہ رہے۔ یہی اس دنیا میں کامیابی کا واحد راز ہے۔

مشترک عمل

ایک کامیاب تاجر سے پوچھا گیا کہ دولت کمانے کا راز کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ دولت کمانے کا راز صرف آپ کا اپنا عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کو اپنے عمل میں ساتھ لے سکیں:

The secret of making money is not in working but in making others work for you.

یہ بلاشبہ ایک نہایت درست بات ہے۔ کوئی بھی شخص محض اپنے ذاتی عمل سے بہت بڑا کام نہیں کر سکتا۔ بڑے کام کے لئے ہمیشہ ضروری ہوتا ہے کہ بہت سے دوسرے افراد اس میں شریک ہو کر مشترک عمل کریں۔ انفرادی عمل سے چھوٹی کامیابی ملتی ہے اور مشترک عمل سے بڑی کامیابی۔

یہ اصول صرف دولت کمانے کا نہیں ہے بلکہ ہر معاملہ میں دینی اور عملی کام کے لئے بھی یہی اصول اتنا ہی درست ہے جتنا کہ دنیوی کام کے لئے۔ کوئی بڑا عملی منصوبہ، کوئی وسیع دعوتی نشانہ، کوئی ہمہ گیر دینی پروگرام اس کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا کہ اس کی تکمیل میں بہت سے لوگ اپنی صلاحیتوں کے ساتھ کامل طور پر جڑے ہوئے ہوں۔

یہ مشترک جدوجہد کس طرح ممکن ہوتی ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ اس کو ہر ایک کا ذاتی انٹرسٹ بنا دیا جائے۔ آدمی اپنی فطرت کے اعتبار سے اسی کام میں اپنے آپ کو وقف کر سکتا ہے جس میں وہ ذاتی انٹرسٹ دیکھ رہا ہو۔ ذاتی انٹرسٹ کی کشش کے بغیر بہت سے لوگ کسی ایک نشانہ پر اپنے آپ کو جمع نہیں کر سکتے۔

دنیوی قسم کے کاموں میں یہ ذاتی انٹرسٹ مادی چیزوں کی صورت میں فراہم کیا جاتا ہے۔ دینی نوعیت کے کام میں یہ مقصد آخرت کے شعور کو بیدار کرنے سے حاصل ہو گا۔

مذہبِ امید

اسلام امید کا مذہب ہے۔ اسلام کی تمام تعلیمات امید اور حوصلہ کا سبق دیتی ہیں۔ بظاہر مشکل اور ناکامی اور محرومی جیسے حالات میں بھی اسلام انسان کو امید اور حوصلہ کا سبق دیتا ہے۔ وہ شام کے اندھیرے میں بھی صبح کی روشنی کی خوشخبری سناتا ہے۔ قرآن کی سورہ نمبر ۴ میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ: وترجون من اللہ ما لا یرجون (النساء ۱۰۴) یعنی اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو امید وہ نہیں رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص جو اسلامی فکر کا حامل ہو وہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جو تاریکی میں روشنی دیکھتا ہے، جو وہاں بھی پر امید رہتا ہے جہاں دوسرے لوگ امید اور حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔

اس معاملے میں اسلام اس حد تک جاتا ہے کہ اسلام میں مایوسی کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن میں ایک پیغمبر کی زبان سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ: ولا تیئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون ۝ (یوسف ۸۷) یعنی تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اللہ کی رحمت سے صرف منکر ہی ناامید ہوتے ہیں۔ اس کے مطابق، اہل اسلام کے لئے کسی بھی حال میں جائز نہیں کہ وہ مایوس ہو جائیں۔ حالات بظاہر خواہ کتنے ہی زیادہ غیر موافق ہوں مگر اہل ایمان پر فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ وہ آخر وقت تک پر امید بنے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خودکشی کی موت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

سچائی کا یقین

موجودہ دنیا میں آدمی کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ اس یقین پر قائم ہو کہ اس نے سچائی کو پالیا ہے۔ وہ جس راستہ پر چل رہا ہے اس کے حق ہونے پر اسے کوئی شبہ نہ ہو۔ اس قسم کا یقین آدمی کی لازمی ضرورت ہے۔ یہی یقین آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان معتدل طور پر رہے۔ اس کو ذہنی سکون حاصل ہو۔ وہ رات کو اطمینان کی نیند سوئے اور دن کو

اعتدال کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے۔ اسلام آدمی کو یقین کی یہی نعمت عطا کرتا ہے۔

ایک پہاڑ یا ایک جانور کی یہ ضرورت نہیں کہ وہ دنیا میں اپنے وجود کا جواز تلاش کرے۔ مگر انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ یہ جانے کہ وہ کیا ہے۔ اور وہ کس مقصد کے تحت دنیا میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس کو ایک لفظ میں زندگی کا نظریہ (آئیڈیالوجی) کہا جاسکتا ہے۔

فلسفہ اس نظریۂ حیات کی تلاش کا علم ہے۔ مگر پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت کی تلاش کے باوجود ابھی تک فلسفہ اپنی تلاش کا جواب نہ پاسکا۔ فلسفہ اپنے آخری مرحلہ میں پہنچ کر انسان کو صرف تشکیک اور بے یقینیت دینے میں کامیاب ہوا ہے۔ فلسفہ کے بعد سائنس کا درجہ آتا ہے مگر سائنس نے پیشگی طور پر یہ مان لیا ہے کہ وہ حقیقت کا صرف جزئی علم دے سکتی ہے، کلی حقیقت تک پہنچنا سائنس کے لئے ممکن ہی نہیں۔

گویا سائنس نے خود ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ مقابلہ کے میدان میں اترنے کی سرے سے اہل نہیں۔ اب آخری چیز جس سے اس معاملہ میں رجوع کیا جائے وہ مذہب ہے۔ یہاں بھی منظر زیادہ مختلف نہیں۔ بظاہر دنیا میں ایک درجن بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ مگر اسلام کے سوا تمام مذاہب کی حالت بلا استثناء یہ ہے کہ ان کو نہ علمی تائید حاصل ہے اور نہ تاریخی اعتباریت۔ ان مذاہب کی مقدس کتابیں تحریف کی بناء پر صحیح باتوں کے ساتھ غلط باتوں کا مجموعہ بن گئی ہیں۔

اسی طرح ان کے تاریخی حالات اتنے کم معلوم ہیں کہ خالص علمی اور عقلی اعتبار سے ان کی سچائی پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح یہ تمام مذاہب بھی عملی طور پر اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ وہ انسان کو وہ سچائی دے سکیں جس پر وہ کامل یقین کے ساتھ قائم ہو جائے۔

افکار کے اس جنگل میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو نہ صرف کامل سچائی کا حامل ہے بلکہ واقعاتی اعتبار سے وہ ایک ایسا مذہب ہے جس کی تاریخی اعتباریت میں کوئی شبہ نہیں۔

اسلام انسان کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو غیر مشتبہ سچائی کا حامل ہے۔ جو کلی صداقت کا سرمایہ اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ جو اپنی تاریخی نوعیت کے اعتبار سے اس

قابل ہے کہ انسان اس یقین کے ساتھ اس کو اختیار کر سکے کہ اس نے اس سچائی کو پالیا ہے جس کی تلاش اس کی فطرت میں پیشگی طور پر موجود تھی۔

اسلام ایک متلاشی روح کا حقیقی جواب ہے۔ وہ انسان کی شخصیت کی تکمیل ہے۔ وہ انسان کو وہ غیر متزلزل یقین دیتا ہے جس کے سہارے وہ دنیا میں زندہ رہ سکے۔ اسلام آدمی کی قبل از موت زندگی کو بھی بامعنی بناتا ہے اور اس کی بعد از موت زندگی کو بھی۔

زندگی ایک قیمتی موقع

زندگی اگر صرف وہی ہے جو موجودہ دنیا میں ہر آدمی کو ملتی ہے تو بلا شبہ وہ اتنی زیادہ بے معنی ہے کہ اس سے زیادہ بے معنی چیز اور کوئی نہیں۔ انسان لامحدود صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ مگر دنیا میں وہ اپنی ان صلاحیتوں کا پانچ فیصد حصہ بھی استعمال نہیں کر پاتا کہ وہ مر جاتا ہے۔ انسان کے اندر تمناؤں اور آرزوؤں کی ایک کائنات بسی ہوئی ہے۔ مگر کوئی بھی شخص اپنی ان تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل اس دنیا میں نہیں کر پاتا۔ تمام موجودات اور مخلوقات میں انسان واحد مخلوق ہے جو مستقبل کا تصور رکھتا ہے۔ مگر تمام انسان ابھی اپنے حال میں ہوتے ہیں کہ ان کی دنیوی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بغیر اس کے کہ انھوں نے اپنے مستقبل کو پایا ہو۔ ہر انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے کامیاب زندگی کا حریص ہے، مگر یہاں کوئی بھی انسان اپنی کامیابی کو نہیں پاتا۔ بظاہر انسان کے لئے صرف یہ المناک انجام مقدر ہے کہ وہ اپنی کامیابی کی تاریخ بنانے سے پہلے اس دنیا سے چلا جائے۔

اسلام اس اندھیرے میں انسان کے لئے ایک روشنی ہے۔ اسلام کا جنت کا تصور آدمی کو یہ بتاتا ہے کہ کس طرح وہ اپنی ناکامی کو کامیابی سے بدلے۔ کس طرح وہ اپنے خوابوں کے اس مستقبل کا مالک بنے جہاں وہ اپنی شخصیت کی تکمیل (fulfillment) کو پا سکے۔

حقیقت کا یہ انکشاف جو اسلام کے ذریعہ کیا گیا ہے وہ ہر آدمی کے لئے زندگی کو ایک قیمتی موقع بنا دیتا ہے۔ اب ہر آدمی ایک مطلوب منزل دریافت کر لیتا ہے جس کی طرف وہ چل سکے۔

ہر آدمی ایک ایسے نشانہ کو جان لیتا ہے جس کو وہ اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز توجہ بنالے۔

دونوں حالتوں میں صبر

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **عجبت من قضاء الله عزوجل للمؤمن ان اصابه خير حمد و شكر وان اصابته مصيبة حمد ربه وصبر المومن يوجر في كل شيء** (مسند الامام احمد بن حنبل ۱۷۳/۱) یعنی مومن کے معاملے میں اللہ کا فیصلہ کیسا عجیب ہے۔ اگر اس کو بھلائی پہونچتی ہے تو وہ حمد کرتا ہے اور شکر کرتا ہے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اس طرح مومن کو ہر چیز میں اجر ملتا رہتا ہے۔

مومن سے مراد وہ انسان ہے جس کا شعور پوری طرح بیدار ہو چکا ہو جس کی سوچ اس حد تک ترقی کر چکی ہو کہ وہ ہر پیش آنے والی صورت حال پر مثبت جواب (positive response) دے سکے۔ وہ قریبی حالات سے اوپر اٹھ کر حقائق کو دیکھنے والا بن چکا ہو۔ یہی وہ انسان ہے جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں کیا گیا ہے۔

ایسے انسان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی پسندیدہ چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ اس غلط فہمی میں نہیں پڑتا کہ یہ اس کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا کے قائم کردہ نظام کی بنا پر ممکن ہوا ہے۔ یہ چیز اس کو حقیقت پسند بناتی ہے اور اس کو نظام خداوندی کا اعتراف کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کو کوئی ناخوشگوار تجربہ پیش آئے تب بھی اس کا ترقی یافتہ شعور اس بات کی ضمانت بن جاتا ہے کہ اس کا ذہنی سکون نہ ٹوٹے۔ وہ فریاد یا شکایات کے بجائے صبر و تحمل کے ساتھ اس کا سامنا کرے۔

موجودہ دنیا میں یہ مزاج آدمی کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ اس کی بنا پر یہ ممکن ہوتا ہے کہ حالات کے اتار چڑھاؤ کے باوجود وہ ہمیشہ اعتدال پر قائم رہے۔ وہ ہر نہیں میں اپنے لئے ایک ہے کا راز دریافت کرلے۔ اس کی زندگی کبھی تعطل سے دوچار نہ ہو۔ اس کی امیدوں کا چراغ کبھی

بجھنے نہ پائے، وہ اس کو ہمیشہ روشنی اور حرارت دیتا رہے۔

دشمن میں دوست

قرآن کی سورہ نمبر ۴۱ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ اور اس سے بہتر کس کی بات ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اور بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں، تم جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو پھر تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی، وہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی دوست قرابت والا۔ (حم السجدہ ۳۳۔۳۴)

کسی سے دشمنی ہو جائے یا کسی آدمی کو ایک شخص اپنا دشمن نظر آئے تو اس کا ذہن یہ بن جاتا ہے کہ یہ میرا دشمن ہے۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کو تباہ کر دیا جائے۔ مگر اسلام ایسے معاملہ میں بھی ایک امید افزا پہلو کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ تمہارے دشمن کے اندر تمہارا ایک دوست چھپا ہوا ہے۔ اس دوست کو دریافت کرو، اور پھر تمہارا دشمن تمہارا قریبی ساتھی بن جائے گا۔

دوستی یا دشمنی کوئی پیدائشی صفت نہیں۔ کوئی آدمی پیدائشی طور پر کسی کا دشمن نہیں ہوتا۔ اگر ایک شخص آپ کو اپنا دشمن نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ یہ اس کی ایک مصنوعی حالت ہے۔ آپ اپنے میٹھے بول اور اپنے حسن سلوک سے اس کو ایک نیا انسان بنا سکتے ہیں۔ آپ اپنے دوستانہ عمل سے اس کو اس حد تک بدل سکتے ہیں کہ آپ کے خلاف اس کی ضد اور نفرت ختم ہو جائے۔ جو شخص اب تک بظاہر آپ کا غیر بنا ہوا تھا وہ آپ کا اپنا بن جائے۔

یہ ہر انسان کے لئے ایک عظیم خوشخبری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بہتر امکانات کی فہرست اتنی لمبی ہے جو دشمن تک کو دوست کے خانے میں درج کئے ہوئے ہے۔ یہ اسلامی تعلیم آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ کانٹے کو بھی پھول کے روپ میں دیکھے، وہ مخالف انسان میں بھی اپنا ایک موافق انسان پالے۔ یہ خود فطرت کا ایک اٹل قانون ہے نہ کہ سادہ طور پر محض ایک مذہبی عقیدہ۔

صبر کا فائدہ

ایک حدیث قدسی کے مطابق، اللہ تعالی نے فرمایا: إذا ابتليت عبدي بحبيبتيه فصبر عوضته منهما الجنة (فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۱۰/۱۲۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں سے آزماتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کو اس کے بدلے جنت دے دیتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ دو محبوب چیزوں سے مراد دو آنکھیں ہیں۔

دو آنکھوں کی محرومی پر صبر کا جو انعام کسی کو خدا کی طرف سے ملتا ہے اس کا تعلق صرف جنت سے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے انسان کا انعام موجودہ دنیا ہی سے شروع ہو جاتا ہے جس کی آخری اور تکمیلی صورت یہ ہے کہ اس کو جنت میں داخلہ مل جائے۔ ایسا انسان دنیا میں نابینا ہونے کے باوجود کامیاب رہتا ہے اور آخرت میں مزید اضافہ کے ساتھ بینا بھی اور کامیاب بھی۔

دونوں آنکھوں کی محرومی پر جب ایک آدمی صبر کر لے تو اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ اس کی اندرونی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اس کی داخلی شخصیت میں ایک نیا نفسیاتی عمل شروع ہو جاتا ہے جو اس کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ اس کے دماغ کی وہ مخصوص کھڑکیاں کھل جاتی ہیں جو خالق فطرت نے صرف اس لئے اس کے اندر رکھی ہیں تاکہ وہ ایمر جنسی کے وقت اس کے کام آئیں۔

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان کے دماغ میں بہت سے خانے ایسے ہیں جو عام حالات میں بالکل بند رہتے ہیں۔ وہ صرف اس وقت کھلتے ہیں جب کہ انسان کسی ہنگامی حالت سے دوچار ہو جائے۔ صبر انھیں بند دروازوں کو کھولنے کی کنجی ہے۔ ایسے حادثے کے موقع پر جو لوگ غم اور فریاد کا شکار ہو جائیں، ان کے دماغ کے یہ ہنگامی خانے بدستور بند پڑے رہیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ ایسے موقع پر صبر کا مثبت رسپانس (positive response) دیں وہ فطرت

کو اپنا عمل کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہری آنکھوں سے محروم ہو کر وہ داخلی آنکھوں کی صورت میں اس کا بدل پا لیتے ہیں۔

راقم الحروف نے خود اپنی زندگی میں کئی ایسے افراد کو دیکھا ہے۔ مثال کے طور پر بھوپال کے جناب الطاف احمد صاحب طویل عرصے سے بینائی سے محروم ہیں مگر وہ اپنے تمام کام معمول کے مطابق اور کامیابی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کے ایک سفر میں میری ملاقات ڈاکٹر ایوب لبنانی سے ہوئی۔ وہ ٹمپل ٹن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور اپنے تمام کام بالکل معمول کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ حتی کہ مشین کی مدد سے وہ کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔

آنکھ انسان کی تمام قیمتی چیزوں میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جب آنکھ جیسی قیمتی چیز سے محرومی پر صبر سے انسان کو نئی زندگی ملتی ہے تو دوسری محرومیوں پر صبر سے بدرجہ اولیٰ اس کو یہ چیز حاصل ہوگی۔ صبر ایک ایسی نعمت ہے جو کسی انسان کی ہر محرومی میں اس کا مددگار ہے۔ صبر کسی انسان کے لئے کھونے کو دوبارہ پانا بنا سکتا ہے۔

موت خاتمۂ حیات نہیں

موجودہ دنیا میں انسان کے ساتھ جو حادثات پیش آتے ہیں ان میں سب سے بڑا حادثہ موت کا حادثہ ہے۔ موت ہر شخص کی زندگی میں ایک ایسا فیصلہ کن زلزلہ ہے جس سے بچنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں۔ کوئی بھی تدبیر اتنی طاقتور نہیں جو موت کو ٹالنے میں کار آمد ہو سکے۔ موت کا شکار ہر آدمی لازمی طور پر ہوتا ہے خواہ وہ غریب ہو یا امیر، خواہ وہ بے زور ہو یا زور آور۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور کا انسان موت کے بارے میں انتہائی سنجیدگی سے سوچتا رہا ہے۔ موت کی یاد ہر آدمی کی خوشیوں کے چراغ کو بجھا دیتی ہے۔ ہر آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا پیدا کرنے والے نے مجھ کو اسی لئے پیدا کیا تھا کہ میں چند سال زندہ رہ کر ختم ہو جاؤں، ایک محدود مدت دنیا میں گزار کر اس طرح یہاں سے جاؤں کہ میری کوئی بھی کامیابی موت کے اس

سفر میں میرے ہمراہ نہ ہو۔

اس معاملے میں اسلام ہر انسان کے لئے امید کا ایک چراغ ہے۔ اسلام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا جو تخلیقی منصوبہ انسان پر منکشف کیا ہے وہ بتاتا ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں، موت دراصل ایک درمیانی وقفہ ہے جس کے بعد آدمی اپنے اگلے مرحلۂ حیات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس دوسرے مرحلۂ حیات میں انسان اسی طرح ایک زیادہ کامل اور وسیع دنیا میں جئے گا جس طرح وہ موجودہ دنیا میں نسبتاً بہت مختصر اور کمتر زندگی گزار رہا تھا۔

اسلام کے ذریعہ یہ خبر جو انسان کو دی گئی ہے وہ ہر مرد و عورت کے لئے زندگی کا نیا پیغام ہے۔ اس خبر کی صورت میں آدمی اس امکان کو دریافت کرتا ہے کہ وہ اگلی دنیا کے قوانین کو جانے اور اس کے مطابق زندگی گزارے تاکہ وہ موت کے بعد دوبارہ ایک نئی اور زیادہ بہتر زندگی پالے۔ اس تخلیقی منصوبہ سے بے خبری انسان کو اپنی زندگی کے بارے میں مایوسی میں مبتلا کرتی ہے۔ مگر جب وہ اس تخلیقی منصوبہ کو جان لے تو اس کے بعد اس کے سامنے زندگی کا نیا وسیع تر دروازہ کھل جاتا ہے۔ وہ بظاہر اپنی محرومی میں ایک نئی یافت کا راز پا لیتا ہے۔

ایک انوکھی خوشخبری

قرآن کی سورۃ نمبر ۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "تم کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" (الزمر ۵۳)

قرآن کی یہ آیت انسان کے لئے ایک عظیم خوشخبری ہے۔ موجودہ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے ہر آدمی سے طرح طرح کی کوتاہیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ ان گناہوں کا انجام اگر لازمی طور پر بھگتنا ہو تو انسان کے لئے زندگی کتنی بڑی مصیبت بن جائے۔ مگر خدا کی کتاب انسان پر یہ راز کھولتی ہے کہ اس کے لئے اس معاملہ میں مایوسی کا کوئی سوال نہیں۔

گناہوں سے معافی کا یہ راز کیا ہے۔ وہ ہے گناہ پر شرمندگی اور اللہ کی طرف دوبارہ رجوع

کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کچھ اعمال کو گناہ قرار دیا ہے اسی طرح اس نے اس دنیا میں امکان بھی رکھ دیا ہے کہ گناہ سرزد ہونے کے بعد آدمی اپنے کو اس سے پاک وصاف کر سکے۔ وہ خدا کی دنیا میں ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے داخل ہو۔

قرآن کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کے لئے یہ عجیب امکان بھی رکھا ہے کہ اس کا گناہ بدل کر اس کے لئے نیکی بن جائے (الفرقان ۷۰)۔ وہ اس طرح کہ گناہ کے بعد جب آدمی شرمندہ ہوتا ہے اور گریہ وزاری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے تو یہ گویا ایک ایسا واقعہ ہوتا ہے جب کہ اس کا گناہ اس کے لئے ایک نیکی کا سبب بن گیا۔ ابتداءً اگر وہ خدا سے دور ہوا تھا تو بعد کے مرحلہ میں وہ خدا سے اور زیادہ قریب ہو گیا۔ اس کی یہ روش خدا کو اتنا زیادہ پسند آتی ہے کہ اس کے گناہ کو بھی نیکی کے خانہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

خدا کا یہ قانون جو قرآن کے ذریعہ کھولا گیا ہے انسان کے لئے ایک عجیب نعمت ہے۔ وہ انسان کے لئے لازوال تسکین کا سرمایہ ہے۔

قناعت ایک نعمت

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **قد افلح من أسلم ورزق کفافاً وقنعه الله بما آتاه** (مسند الامام احمد ۱۶۸/۲) یعنی وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اسلام قبول کیا اور اس کو بقدر ضرورت روزی ملی اور اللہ کی توفیق سے وہ اس پر قانع رہا جو اللہ نے اس کو دیا تھا۔

موجودہ دنیا میں ہمیشہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان اونچ نیچ رہتی ہے۔ اس بنا پر اکثر انسان سکون سے محروم زندگی گزارتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو دیکھتے رہتے ہیں جن کو ان سے زیادہ ملا ہوا ہے۔ اس طرح وہ مسلسل طور پر ایک قسم کی حسرت کی نفسیات میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی حال میں مر جاتے ہیں۔

اس کا حل اسلام میں قناعت بتایا گیا ہے۔ قناعت آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ ملے

ہوئے پر مطمئن رہے اور نہ ملے ہوئے کے غم میں اپنے آپ کو ہلکان نہ کرے۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق دنیا میں ہر ایک کو وہی ملتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ جس آدمی کو کم ملا وہ بھی خدا کے حکم سے تھا اور جس کو زیادہ ملا وہ بھی خدا کے حکم سے تھا۔

یہ عقیدہ آدمی کو ابدی سکون عطا کرتا ہے۔ وہ اس یقین میں جینے لگتا ہے کہ اس کو جو کچھ ملا وہ اتفاقاً نہیں تھا بلکہ یہ عین وہی ہے جو خود اس کی بہتری کے لئے اس کو ملنا چاہئے تھا۔ اگر ایک شخص کو بظاہر دنیا کا رزق کم ملا ہے تو یہ اس کے حق میں خدا کی ایک عظیم مہربانی ہے۔ اس طرح خدا چاہتا ہے کہ وہ شخص ظاہری ساز و سامان میں زیادہ مصروف نہ ہو سکے۔ وہ خارجی ظواہر سے بلند ہو کر معنوی حقائق میں زیادہ سے زیادہ مشغول ہو۔

ماڈی چیزوں میں کم پر راضی ہونے کا نام قناعت ہے۔ اسی طرح مادی چیزوں میں زیادہ کا طالب بننے کا نام حرص ہے۔ اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ جو آدمی قناعت کی روش پر قائم ہو اس پر ہر قسم کے علمی دروازے کھلتے چلے جائیں گے، اس پر معرفت اور روحانیت کی بارشیں ہوں گی۔ اس کے برعکس جو آدمی حرص و ہوس کا طریقہ اختیار کرے وہ ظواہر کی محدود دنیا میں گم ہو کر رہ جائے گا۔ حقائق کی وسیع تر دنیا اس کی دسترس سے باہر ہو گی۔ وہ ایک خوشنما حیوان کی طرح زندگی گزارے گا، وہ انسانیت کا اعلیٰ درجہ پانے سے محروم رہے گا۔

کم پر قناعت کرنا کوئی سادہ بات نہیں۔ یہ ایک اعلیٰ انسانی صفت ہے۔ جو آدمی ماڈی چیزوں میں کم پر راضی ہو جائے وہ گویا غیر ماڈی چیزوں میں اپنے آپ کو زیادہ کا مستحق بنا رہا ہے۔ وہ غیر اہم چیزوں مین پیچھے کی سیٹ کو قبول کر کے زیادہ اہم چیزوں میں آگے کی سیٹ پر اپنے لئے زیادہ بہتر جگہ حاصل کر رہا ہے۔

تکلیف میں راحت

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: **مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا همّ ولاحزن ولا اذى ولاغم ــ حتى الشوكة يشاكها ــ الا كفّر الله بها من خطاياه.**

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۱۰؍۱۰۷) یعنی جب بھی کسی مسلم پر کوئی تھکان یا درد یا رنج یا حزن یا تکلیف یا غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ ضرور ان مصیبتوں کو اس کی خطاؤں کے لئے کفارہ بنا دیتا ہے۔

یہاں مسلم سے مراد وہ انسان ہے جس کو حقیقت کی پہچان ہو گئی ہو۔ جو چیزوں کو اس کے صحیح رخ سے دیکھنے کے قابل ہو جائے، جو خدا کی خدائی کو دریافت کر لے اور اسی کے ساتھ انسان کی انسانیت کو بھی۔

ایسا انسان اپنی حقیقت شناسی کی بنا پر وہ انسان بن جاتا ہے جو ہر آنے والی صورت حال کا صحیح جواب (response) دے سکے۔ ایسے انسان پر جب کوئی چھوٹی یا بڑی مصیبت آتی ہے تو وہ اس کی سوچ کو جگانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ایسے تجربات کے درمیان وہ اپنے عجز کو دریافت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصیبت کے وقت فریاد اور شکایات کرنے کے بجائے وہ قادر مطلق خدا کو یاد کرنے لگتا ہے۔ ان تجربات کے درمیان وہ اپنی حیثیت واقعی کا ادراک کر لیتا ہے۔

اس معاملے کو دوسرے لفظوں میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مسلم وہ ہے جو زندگی کے تلخ تجربات کو منفی معنوں میں لینے کے بجائے ان کو مثبت معنوں میں لے سکے۔ مسلم انسان کی یہ صفت اس کے لئے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کا محرک بن جاتی ہے۔ دنیا کی ہر ٹھوکر اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے معاملے پر از سر نو غور کرے۔ وہ اپنا احتساب آپ کرنے لگے۔ اصلاحِ خویش کے اس عمل کا دینی نام کفارہ ہے۔

اسلام کا یہ اصول انسان کے لئے ایک عظیم خوش خبری ہے۔ اس دنیا میں ہر آدمی کو بار بار مختلف قسم کی مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ آدمی اگر باشعور نہ ہو تو دنیا کی مصیبت اس کے لئے صرف مصیبت یا تکلیف ہو گی، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ مگر جو انسان صاحب معرفت ہو، جس کے ایمان نے اس کو باشعور بنا دیا ہو وہ اس پوزیشن میں ہو جاتا ہے کہ اپنی تکلیف کو بھی راحت بنا سکے، اپنے نہیں کو ہے میں تبدیل کر سکے۔ وہ کھونے کو بھی اپنے لئے پانا بنا لے۔

اسلام کا یہ تصور انسان کے لئے ایک عظیم نعمت ہے، وہ تکلیف کے احساس کو بھی راحت کے احساس میں بدل دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر جب کوئی چھوٹی یا بڑی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کبھی گھبراہٹ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ ہر مصیبت کے موقع پر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس مصیبت نے میری زندگی کی کسی غلطی کو میرے اعمال کے ریکارڈ سے مٹادیا۔ مجھے قصوروار انسان کے مقام سے اٹھاکر بے قصور انسان کی صف میں پہونچادیا۔

توکل اور اعتماد

اسلام کی ایک اہم تعلیم وہ ہے جس کو توکل علی اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر حال میں اللہ کے اوپر بھروسہ رکھنا، اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہونا، قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ "اور تم اللہ پر توکل کرو، اور اللہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے (الاحزاب ۳) دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ تم اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔ (المائدہ ۲۳) اسی طرح قرآن میں اہل حق کی زبان سے کہا گیا ہے کہ "اور جو تکلیف تم ہمیں دوگے ہم اس پر صبر کریں گے، اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے"۔ (ابراھیم ۱۲) اسی طرح قرآن میں بتایا گیا ہے کہ تم اس طرح کہو کہ "اللہ میرے لئے کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (الزمر ۳۸)

توکل کا عقیدہ امید اور یقین کا لازوال سرچشمہ ہے۔ یہ عقیدہ آدمی کو یہ یقین عطا کرتا ہے کہ جہاں تمہاری کوششوں کی حد آجائے وہاں ایک اور ہستی تمہاری مدد کے لئے موجود رہتی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ جہاں معلوم اسباب ختم ہو گئے ہوں وہاں نامعلوم اسباب کا کبھی نہ ختم ہونے والا ذریعہ تمہارا ساتھ دینے کا انتظار کر رہا ہے۔ جہاں تم اپنی طاقت سے کامیاب نہیں ہو سکتے وہاں تمہارا خدا اپنی لامحدود طاقتوں کے ساتھ تم کو کامیاب بنانے کے لئے موجود ہے۔

توکل کا یہ عقیدہ اہل ایمان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ وہ آدمی کو یہ یقین عطا کرتا ہے کہ بظاہر حوصلہ شکن حالات میں بھی اس کا حوصلہ نہ ٹوٹے۔ بظاہر ناامیدی کے طوفان میں بھی وہ اپنی

امید کو بر قرار رکھے۔

اس پہلو سے غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ ایک شخص کا اسلام کے عقیدہ پر کھڑا ہونا کوئی سادہ بات نہیں۔ یہ اٹل حوصلہ کی زمین پر کھڑا ہونا ہے۔ یہ نا قابلِ شکست عزم کی چٹان پر کھڑا ہونا ہے۔ یہ ایک ایسی برتر امید پر کھڑا ہونا ہے جو طوفانی حالات میں بھی آدمی کو مایوسی سے بچائے رکھے۔ جو اس کو ہر حال میں عزم و ہمت کا پیکر بنائے رہے۔

ناخوش گواری میں خوش گوار پہلو

قرآن کی سورہ نمبر ۲ میں فطرت کا ایک قانون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **وعسی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسی ان تحبّوا شیئاً و ھو شر لکم واللہ یعلم و انتم لاتعلمون ٥** (البقرۃ ۲۱۶) یعنی ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بھلی ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

انسان ایک ایسی دنیا میں جیتا ہے جہاں اس کے سوا بے شمار دوسرے اسباب ہیں جو رات دن اپنا کام کر رہے ہیں۔ موجودہ دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ زیادہ تر انھیں خارجی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس بنا پر بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو اس کی خواہش یا اس کے اپنے منصوبہ کے خلاف ہو۔ اگر آدمی زیادہ باشعور نہ ہو تو وہ ایسے واقعات کو دیکھ کر گھبرا جائے گا۔ وہ اپنے کو ایک مصیبت زدہ یا ناکام انسان سمجھ لے گا۔

قرآن کے مذکورہ بیان میں ایسے انسان کے لئے ایک عظیم رہنمائی ہے۔ یہ رہنمائی انسان کو ایک مستقل سکون عطا کرتی ہے۔ وہ انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ مصیبت کے لمحات میں بھی یہ سوچ کر مطمئن رہے کہ اس مصیبت میں بھی یقیناً راحت کا کوئی پہلو چھپا ہوا ہو گا۔ وہ انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ مشکل لمحات میں بھی وہ انتظار کی پالیسی اختیار کرے۔ وہ اپنے ناخوشگوار حال میں ایک خوشگوار مستقبل کا منظر پیشگی طور پر دیکھنے لگے۔

ایسا انسان اپنے اس مزاج کی بنا پر ایک بے پناہ انسان بن جاتا ہے۔ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے وقت یا اپنے وجود کا کوئی حصہ بے فائدہ طور پر ضائع نہ ہونے دے۔ وہ اس المناک انجام سے محفوظ رہے کہ ایک ناخوشگوار صورت حال سے متاثر ہو کر وہ اپنے آپ کو ہلاک کرلے، حالانکہ آئندہ آنے والے حالات اس کے لئے ایسی خبریں لائیں جو عین اس کے حق میں ہوں اور مزید اضافے کے ساتھ ٹھیک وہی ہو جس کو وہ اپنے لئے چاہ رہا تھا۔

کمزور اور طاقتور

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کے یہاں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی گھر کا کاروبار سنبھالتا تھا اور دوسرا بھائی دینی کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ پہلے بھائی نے رسول اللہ ﷺ سے دوسرے بھائی کی شکایت کی اور کہا کہ وہ گھر کے کاروبار میں حصہ نہیں لیتے۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم کو اسی کی وجہ سے روزی مل رہی ہو۔ (لعلك ترزق به) اسی طرح ایک اور روایت کے مطابق، پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: إنماتنصرون و ترزقون بضعفائکم (فتح الباری بشرح صحیح البخاری ۶/۱۰۵۔ ۱۰۴) یعنی تم کو جو مدد ملتی ہے یا جو رزق ملتا ہے وہ صرف تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ملتا ہے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ہر گھر میں اور ہر سماج میں ایسے افراد ہوتے ہیں جو بظاہر کمزور ہوتے ہیں، ترقیاتی سرگرمیوں میں بظاہر ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ایسے افراد عام طور پر گھر میں بھی اور سماج میں بھی حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو اجتماعی زندگی میں عزت کا مقام نہیں ملتا۔ ایسے لوگ خود بھی مایوسی کا شکار رہتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک بوجھ سمجھ لیتے ہیں نہ کہ اپنے حق میں کوئی مفید اثاثہ۔

ایسے حالات میں مذکورہ اسلامی تعلیم ایک عظیم سماجی نعمت ہے۔ یہ تعلیم بتاتی ہے کہ خدائی منصوبے کے مطابق، سماج کی ترقیاتی سرگرمیوں میں ان کمزوروں کا بھی ایک عظیم حصہ ہے۔ کسی سماج میں ان کا وجود خدا کی رحمتوں کو اس کی طرف مائل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ بظاہر نہ کرنے کے

باوجود وہ سماج میں بہت بڑی خدمت انجام دیتے ہیں۔

یہ سادہ طور پر صرف ایک اخلاقی تعلیم نہیں، یہ فطرت کا اٹل قانون ہے، یہ خداوند عالم کا تخلیقی منصوبہ ہے۔ اس حقیقت کا شعور جب کسی سماج کے افراد میں پیدا ہو جائے تو ایسا سماج اپنے کمزوروں کے بارے میں آخری حد تک مہربان ہو جائے گا۔ وہ اپنے کمزوروں کو اپنے معاملات میں برابر کا حصہ دار سمجھے گا نہ کہ محض ایک بے فائدہ بوجھ۔

مشکل میں آسانی

قرآن کی سورہ نمبر ۹۴ میں بتایا گیا ہے کہ ــــ پس مشکل کے بعد آسانی ہے... بے شک مشکل کے بعد آسانی ہے (الانشراح ۵۔۶) ان الفاظ میں فطرت کا ایک قانون بتایا گیا ہے جس کو خدا نے ابدی طور پر پوری دنیا میں قائم کر رکھا ہے۔ آدمی خواہ کسی بھی ملک میں ہو، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہو، خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہو، ہر جگہ اور ہر حال میں وہ فطرت کے اس قانون کو کارفرما پائے گا۔

موجودہ دنیا اس ڈھنگ پر بنی ہے کہ یہاں کسی بھی شخص کے لئے ہمیشہ یکساں حالات نہیں ہوتے۔ مگر قرآن میں بیان کردہ مذکورہ فطری قانون بتاتا ہے کہ کسی بھی حال میں انسان کو بددل یا پست ہمت نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ خود خالق عالم کے قائم کردہ اصول کی بنا پر ہر ناموافق صورت حال میں ایک موافق امکان چھپا ہوا ہے۔

مثلاً ایک شخص کا باپ اس کی کم عمری میں انتقال کر جائے تو یہ بظاہر اس کے لئے ایک ناموافق بات ہے۔ مگر اس حادثے کا موافق پہلو یہ ہے کہ باپ کے سائے سے محرومی اس کے اندر خود اعتمادی کی صفت جگانے والی ثابت ہو گی۔ ایک شخص غریب گھر میں پیدا ہو تو بظاہر یہ محرومی کی بات ہے مگر اس کا روشن پہلو یہ ہے کہ ایسا آدمی اپنے حالات کی بنا پر زیادہ محنت کرے گا اور زیادہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا، وغیرہ۔

اسی طرح ہر مشکل، ہر محرومی اور ہر حادثے میں ہمیشہ ایک نیا اور بہتر امکان چھپا ہوتا

ہے۔ناموافق حالات چیلنج بن کر آدمی کو جھنجھوڑتے ہیں۔ وہ اس کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتے ہیں۔ اس طرح ہر ناموافق جھٹکا آدمی کے لئے ترقی کا زینہ بنتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ معمولی انسان سے اوپر اٹھ کر غیر معمولی انسان بن جاتا ہے۔

خوبی تلاش کرو

ایک روایت کے مطابق، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا یفرك مومن مومنة ان کرہ منها خلقا رضی منها آخر** (مسند الامام احمد بن حنبل ۲/۳۲۹) یعنی کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے، اگر اس کے اندر کوئی ناپسندیدہ خصلت ہوگی تو اسی کے ساتھ اس کے اندر کوئی پسندیدہ خصلت بھی موجود ہوگی۔ اس حدیث میں مومن اور مومنہ سے مراد مومن شوہر اور مومن بیوی ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا تخلیقی نظام ہے کہ کسی ایک مرد اور عورت کو تمام انسانی خوبی نہیں دی جاتی۔ ایک مرد اگر جسمانی حیثیت سے زیادہ طاقت ور ہو تو وہ دماغی صلاحیت کے اعتبار سے کم ہوگا اسی طرح اگر کوئی مرد دماغ کے اعتبار سے غیر معمولی صلاحیت کا حامل ہو تو وہ جسم کے اعتبار سے ایک کمزور انسان ہوگا۔ اسی طرح ایک عورت کو اگر صورت کے اعتبار سے زیادہ حصہ ملا ہو تو سیرت کے اعتبار سے وہ زیادہ خصوصیات کی حامل نہ ہوگی۔ اور اگر وہ سیرت میں ممتاز ہو تو صورت کے اعتبار سے وہ کوئی ممتاز خاتون نہ ہوگی۔ اس میں استثناء ہو سکتا ہے مگر عام اصول یہی ہے۔ فطرت کا یہی اصول ہے جس کی طرف مذکورہ حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ ایک ایسا اصول ہے جس میں ہر شادی شدہ جوڑے کے لئے کامیابی کا راز موجود ہے۔ شادی شدہ زندگی کی ناکامی کا سبب اکثر حالات میں یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو بظاہر اپنی مرضی کے مطابق نہیں پاتا اس لئے وہ اس سے بددل ہو جاتا ہے۔ مگر مذکورہ اصول کے مطابق، اس بددلی کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ فریق ثانی فی الواقع ویسا ہی ہے جیسا کہ فریق اول اس کو سمجھ رہا ہے۔ اس طرح کے معاملے میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ فریق اول کی رائے

یک طرفہ ہوتی ہے۔ وہ فریق ثانی کی شخصیت کے ایک پہلو کو دیکھ کر اس سے بیزار ہو جاتا ہے حالانکہ اگر وہ فریق ثانی کے دوسرے پہلو کو دیکھے تو اس کے بارے میں اس کی رائے بالکل بدل جائے۔

مثال کے طور پر ایک شوہر اپنی بیوی کو ظاہری خصوصیات میں کم پاتا ہے اور اس بنا پر وہ اس کو ناپسند کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس کو جاننا چاہئے کہ یہی اس کی بیوی کی کل شخصیت نہیں، عین ممکن ہے کہ ظاہری کمی کے باوجود اس کی شخصیت میں اندرونی اخلاقی صفات بہت زیادہ موجود ہوں۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کسی خاتون کے اندر سیرت و کردار کے اعلیٰ اوصاف ہونا خاندانی زندگی کے لئے زیادہ اہم حیثیت رکھتا ہے۔

فطرت کا نظام

قرآن کی سورہ نمبر ۹۰ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہوا ہے کہ: لقد خلقنا الانسان فی کبد (ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے) اسی طرح قرآن میں دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے بارے میں پیشگی طور پر یہ بتادیا تھا کہ دنیا میں تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ بعضکم لبعض عدو (البقرہ ۳۶)

قرآن کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف (suffering) موجودہ دنیا کا ایک لازمی حصہ ہے۔ یہ خود خالق فطرت کا مقرر کیا ہوا نظام ہے۔ اس لئے اس کو ختم کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ یہ انسانیت کے نام قرآن کا ایک عظیم فکری تحفہ ہے۔ انسان اگر اس راز کو نہ جانے تو وہ غیر حقیقت پسند بنا رہے گا، وہ غیر ضروری طور پر ہمیشہ یہ کوشش کرے گا کہ وہ اپنے لئے ایک بے مشقت دنیا یا خرابیوں سے پاک سماج (evil-free society) بنا سکے۔ مگر ساری کوشش کے باوجود وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو گا۔ کیوں کہ فطرت کے قانون کے مطابق ایسا ہونا ممکن نہیں۔ مگر جب وہ اس حقیقت کو جان لے گا تو وہ مسائل کے ساتھ جینے کی کوشش کرے گا اور پھر وہ اسی طرح اپنی پسند کی ایک دنیا بنا لے گا جس طرح ایک درخت کانٹوں کے باوجود پھولوں اور پتیوں کے

ذریعہ اپنی ایک پرکشش دنیا بنالیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے مسائل انسان کے لئے مصیبت نہیں۔ وہ انسان کے لئے ترقی کا زینہ ہیں۔ یہ مسائل انسان کو بیدار کرتے ہیں۔ وہ اس کی سوئی ہوئی صلاحیتوں کو حرکت میں لاتے ہیں۔ وہ اس کے جمود کو توڑ کر اس کو مسلسل طور پر زندہ رکھنے کی ضمانت ہیں۔

مسائل زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ مزید یہ کہ وہ ایک مفید حصہ ہیں نہ کہ کوئی مضر حصہ۔ جو لوگ اس حقیقت کو جان لیں وہ بے فائدہ چیزوں میں اپنی طاقت کو ضائع نہیں کریں گے۔ وہ زندگی کی اعلیٰ تعمیر میں یقینی طور پر کامیاب رہیں گے۔

اقلیت کے لئے خوشخبری

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ: كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين (البقرۃ ۲۴۹)۔ یعنی کتنے ہی چھوٹے گروہ ہیں جو بڑے گروہ پر غالب آئے ہیں، اللہ کے اذن سے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

قرآن کی اس آیت میں فطرت کا ایک قانون بتایا گیا ہے، اس قانون کے مطابق اس دنیا میں عددی اکثریت والا گروہ اگر بظاہر برتر دکھائی دیتا ہے تو عددی اقلیت والا گروہ امکانی طور پر اس سے بھی زیادہ برتر حیثیت رکھتا ہے۔ اس دنیا میں فطرت کا قانون اکثریت سے زیادہ اقلیت کے حق میں ہے۔ اس آیت میں اقلیتی گروہ کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اس کو اپنی عددی کمی کی بنا پر ناامیدی اور پست ہمتی کا شکار نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اذن اللہ (قانون فطرت) پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے اندر پرامید سوچ پیدا کرے۔ یقینی ہے کہ کامیابی آخر کار اسی کو حاصل ہوگی۔

اقلیتی گروہ کس طرح اکثریتی گروہ پر غالب آسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس سماج میں ایسا ہوتا ہے وہاں اکثریتی گروہ اقلیتی گروہ کے خلاف ایک مسلسل چیلنج بن جاتا ہے۔ اکثریتی گروہ زندگی کے ہر میدان میں اقلیتی گروہ کو للکارنے لگتا ہے کہ اگر تم کو جینا ہے تو ہوشیار ہو جاؤ،

تمہاری غفلت تم کو موت کے کنارے پہونچادے گی۔ اکثریت کی طرف سے یہ چیلنج اقلیت کے لئے ایک زبردست تازیانہ کا کام کرتا ہے۔ وہ چوکنا ہو کر زیادہ مستعدی اور زیادہ ہوشمندی کے ساتھ اپنا عمل کرنے لگتا ہے۔ اکثریتی گروہ کا چیلنج اقلیتی گروہ کے افراد کی فطری صلاحیتوں کو آخری حد تک جگادیتا ہے۔

آیت میں اذن اللہ کا مطلب یہی ہے۔ جہاں بھی اکثریت اور اقلیت کا فرق پایا جائے وہاں خود بخود اذن اللہ کا یہ عمل جاری ہو جائے گا اور آخر کار اس کا وہی نتیجہ نکلے گا جس کی نشاندہی قرآن کی مذکورہ آیت میں کی گئی ہے۔





نئی کتابیں





مستحکم سماجی نظام

بیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ہندستان میں ایک خطرناک علامت ظاہر ہوئی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل بعید تک کے لئے ملک میں مستحکم حکومت کا دور ختم ہوگیا ہے۔ حکومت کا اور پارلیمنٹ کا بار بار ٹوٹنا اب یہاں کا سالانہ معمول بنتا جارہا ہے۔ ایسی حالت میں ملک کے لئے آخری امید صرف یہ باقی رہ گئی ہے کہ غیر مستحکم سیاسی نظام کے درمیان مستحکم سماجی نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔

۱۹۹۷ میں یورپ کے ایک سفر کے دوران مجھے دو دن کے لئے روم میں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ یہاں میری ملاقات ایک اٹیلین پروفیسر سے ہوئی۔ ان سے میں نے پوچھا کہ اٹلی میں عرصہ سے سیاسی استحکام نہیں ہے۔ حکومتیں ہر سال ٹوٹتی رہتی ہیں۔ اس کے باوجود حالیہ سروے کے مطابق اٹلی میں اقتصادی شرح ترقی (rate of growth) پورے یورپ میں سب سے زیادہ ہے۔ سیاسی عدم استحکام کے باوجود اس اقتصادی ترقی کا راز کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ لمبے عمل کے بعد ہمارے یہاں غیر سیاسی سطح پر سسٹم بہت مضبوط ہوگیا ہے جو سیاسی تبدیلیوں کے باوجود بدستور قائم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی انتشار کی حالت میں بھی قومی ترقی کے عمل میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

میرا احساس یہ ہے کہ موجودہ حالات میں انڈیا میں بھی اسی ماڈل کو اختیار کیا جانا چاہئے۔ خوش قسمتی سے یہ نظام آج بھی ہمارے ملک میں تقریباً پچاس فیصد تک موجود ہے۔ اب صرف تھوڑی سی محنت کے ذریعہ اس کو ایک مکمل سسٹم کے درجہ تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

یہاں میں کچھ مثالیں دوں گا۔ ۱۹۴۷ کے بعد انڈیا کی قسمت جن بڑے سیاسی لیڈروں کے ہاتھ میں آئی وہ تقریباً سب کے سب سوشلسٹ ذہن رکھنے والے لوگ تھے۔ انھوں نے انڈیا کی تعمیر نو کے لئے مقلدانہ طور پر روسی ماڈل کو اختیار کرلیا۔ اس میں صرف اتنا فرق تھا کہ ملکی حالات

کی بنا پر وہ یہاں اشتراکی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔اس لئے انھوں نے نام نہاد پبلک سکٹر کے ساتھ پرائیویٹ سکٹر کو بھی جینے کی اجازت دے دی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹۹۱ میں جب سوویت یونین ٹوٹا تو وہاں کی اقتصادیات کامل دیوالیہ پن کی شکار ہو گئیں۔ لیکن انڈیا میں ہم پاتے ہیں کہ اگرچہ ہمارے یہاں سوشلسٹ حکمرانوں کا قائم کردہ پبلک سکٹر سوویت یونین ہی کی طرح مکمل طور پر ناکام ہو گیا اس کے باوجود ملک کی اقتصادیات دیوالیہ پن کا شکار ہونے سے بچی ہوئی ہیں۔اس کا کریڈٹ کسی بھی درجہ میں ہمارے حکمرانوں کو نہیں جاتا۔ یہ تمام تر اسی پرائیوٹ سکٹر کا کارنامہ ہے جس کو آزادی کے بعد ہمارے سوشلسٹ حکمرانوں نے صرف ایک ناگزیر برائی کے طور پر باقی رکھا تھا۔

ہندستان میں پچھلے کئی سو سال سے ایک مضبوط تجارتی طبقہ موجود تھا۔وہ اس پوزیشن میں تھا کہ شہنشاہ اورنگ زیب اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو قرض دے سکے۔ یہ بزنس کمیونٹی مسلسل قائم رہی۔ آزادی کے دور میں اس کی نئی نسل نے بڑے پیمانہ پر جدید تعلیم حاصل کرلی اور اس طرح اپنے تجارتی ڈھانچہ کو جدید معیار کے مطابق بنا کر اپنے آپ کو مزید مستحکم کرلیا۔

دور آزادی کے حکمرانوں نے اس معاملہ میں کوئی بھی مثبت کام نہیں کیا۔اس مدت میں ان کا واحد کارنامہ یہ ہے کہ فلاح عامہ کے نام پر انھوں نے بے شمار مصنوعی قوانین بنائے اور اس طرح سوشلسٹ جنون کے تحت تجارتی طبقہ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ مگر یہ طبقہ اپنی سخت جانی کا ثبوت دیتے ہوئے پھر بھی زندہ رہا۔ دراصل ملک کا یہی تجارتی طبقہ (private sector) وہ سب سے بڑا عامل ہے جس نے حکمرانوں کی بدترین نااہلی کے باوجود ملک کو اقتصادی دیوالیہ پن سے بچایا ہے۔

اس سلسلہ میں دوسرا مددگار عامل وہ ہے جس کو زرعی سکٹر کہا جاتا ہے۔ ہندستان میں سیکڑوں سال سے مضبوط زرعی نظام قائم تھا۔ یہ گاؤں کے کسانوں نے اپنی ذاتی محنت سے قائم کیا تھا۔ سابق سوویت یونین نے وہاں کے زرعی سکٹر کو بے دردانہ طور پر نام نہاد سرکاری کنٹرول

میں لے لیا تھا۔ ہندستان کے سوشلسٹ حکمراں اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہ ملک کی اسّی فیصد کسان آبادی پر اپنا سوشلسٹ بلڈوزر چلا سکیں۔ چنانچہ یہ زرعی سکٹر حکمرانوں کی مدد کے بغیر خود اپنی طاقت پر قائم رہا۔

ہندستان سوویت یونین جیسی اقتصادی تباہی سے بچا ہوا ہے۔ اس کا دوسرا بڑا سبب اسی زرعی سکٹر کا زندہ رہنا ہے۔ اس زرعی سکٹر نے نہ صرف ملک کو غذائی اعتبار سے خود کفیل بنایا بلکہ برآمدات کی صورت میں وہ ملک کے لئے قیمتی زر مبادلہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے حکمراں سوشلسٹ ریفارم کے نام پر اس زرعی سکٹر کو سرکاری سکٹر بنانے میں کامیاب ہو جاتے تو یقینی طور پر ملک کا وہی اقتصادی انجام ہوتا جو سوویت یونین کے ساتھ پیش آیا ہے۔

تیسرا شعبہ جو نسبتاً کمزور حالت میں قائم ہوا وہ تعلیم کا شعبہ ہے۔ تعلیم کا رواج ہندستان میں اگرچہ قدیم زمانہ سے تھا مگر وہ صرف خاص طبقوں تک محدود تھا۔ مسلمان جب ہندستان میں آئے تو انہوں نے ہر مسجد کو مدرسہ کی صورت دے کر تعلیم کو کافی پھیلا دیا۔ بہت سے ہندو مثلاً ڈاکٹر راجندر پرساد نے اسی نظام کے تحت اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انگریز ملک میں جدید تعلیم لے آئے۔ آزادی (۱۹۴۷) کے بعد ملک میں ہزاروں کی تعداد میں نئے تعلیمی ادارے قائم ہو گئے۔ انھیں مختلف کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ملک میں پچاس فیصد لوگ کم یا زیادہ تعلیم یافتہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تعلیمی ڈھانچہ ملک کو آخری تباہی سے بچانے میں بہت کامیاب ثابت ہوا ہے۔

چوتھا نظام، اقدار کے نظام (Value System) کا ہے۔ آزادی کے بعد ہمارے لیڈروں نے پولیٹیکل کرپشن کا جو طوفان برپا کیا، اس کے بعد ملک کا یہ حال ہونا چاہئے تھا کہ وہ آخری حد تک اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو جائے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ آج بھی ملک میں اخلاقی اقدار کی روایات کسی نہ کسی درجہ میں زندہ اور قائم ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قومی اور سماجی زندگی کے تمام شعبے اس حد تک تباہ ہو چکے ہوتے کہ بازار میں چلنا اور ٹرینوں میں سفر کرنا بھی عام انسان

کے لئے سخت مشکل ہو جاتا۔

نا موافق سیاسی حالات کے باوجود ملک میں اخلاقی روایت کے باقی رہنے کا سبب کیا ہے۔

اس کا سبب دوبارہ اخلاقی تعلیم کا وہ خاموش نظام ہے جو غیر سیاسی سطح پر قائم چلا آرہا ہے۔ سو سال پہلے کے دور میں یہ نظام زیادہ تر صوفیوں کے ذریعہ قائم تھا۔ اب اس نظام کا تسلسل اس طرح قائم ہے کہ ایک طرف ہندوؤں کے اندر بہت بڑی تعداد میں گرو اور سادھو سنت موجود ہیں جو ہر دن اپنی قوم کو امن اور پیار اور سہن شیلتا کا اپدیش دیتے رہتے ہیں۔ یہ کام بہت بڑے پیمانہ پر پورے ملک میں ہو رہا ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں میں لاکھوں کی تعداد میں مسجد اور مدرسے اور دینی حلقے قائم ہیں۔ مسلمانوں کی بیشتر تعداد کسی نہ کسی طور پر ان اداروں اور حلقوں سے جڑی ہوئی ہے۔ یہاں ان کو مسلسل طور پر اخلاق اور شرافت اور انسانیت کا سبق دیا جاتا ہے۔ یہ کام ہر شہر اور گاؤں میں ہو رہا ہے، جب کہ سیاست اور حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ ایک غیر سیاسی نظام ہے جس کے چار بڑے بڑے شعبے ہیں —— تجارت، زراعت، تعلیم اور اخلاقیات۔ موجودہ حالت میں جب کہ ہمارے نااہل لیڈروں نے ملک کو سیاسی دیوالیہ پن کی حد تک پہنچادیا ہے، یہی غیر سیاسی نظام ہے جو ملک کو آخری تباہی سے بچائے ہوئے ہے۔

لارڈ ایکٹن نے کہا تھا کہ اقتدار بگاڑتا ہے (power corrupts)۔ یہ مقولہ ہمارے ملک میں اپنی بدترین صورت میں صحیح ثابت ہوا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بگاڑ کا یہ مسئلہ صرف موجودہ سیاسی لیڈروں تک نہیں رکے گا بلکہ جو شخص بھی سیاست کے میدان میں داخل ہوگا وہ اسی مقولہ کا شکار ہوتا رہے گا۔ اس لئے کم از کم موجودہ حالت میں عقلمندی یہی ہے کہ ہم سیاسی لیڈروں سے زیادہ امید رکھنا چھوڑ دیں اور مذکورہ غیر سیاسی نظام کو مزید مکمل اور مستحکم بنانے میں لگ جائیں۔

ہمارے لئے اب امید کا مقام ملک کا سیاسی ادارہ نہیں ہے بلکہ وہ غیر سیاسی ادارے ہیں جن

کااوپر ذکر ہوا۔ جو شخص بھی ملک کی تعمیر میں اپنا کچھ حصہ ادا کرنا چاہتا ہے اس کو اسی غیر سیاسی نظام کی تعمیر و تشکیل میں مصروف ہو جانا چاہئے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم صرف غیر سیاسی شعبوں میں مشغول ہو جائیں اور سیاسی شعبے کو اس کی بگڑی ہوئی حالت پر چھوڑ دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر سیاسی شعبے کو بہتر بنانا بالواسطہ طور پر خود سیاسی شعبے کو بہتر بنانے کا ذریعہ ہے۔

ملک کے سیاسی شعبے کے بگاڑ کو درست کرنے کی کوشش پچھلے پچاس سال سے جاری رہی ہے۔ اس میں ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور جے پرکاش نرائن جیسے بہت سے لوگوں کے نام شامل ہیں۔ مگر لمبی کوشش کے باوجود اس معاملے میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ایسی حالت میں اس تجربہ کو مزید جاری رکھنا کوئی معقول بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی اصلاح کی براہ راست کوشش پوری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ اب ہمارے لئے جو صورت باقی ہے وہ یہی ہے کہ اس معاملے میں بالواسطہ اصلاح کے آزمودہ طریقہ کو اختیار کر لیا جائے۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جیسے تم ہو گے ویسے ہی تمہارے حکمراں ہوں گے (كما تكونون، كذالك يؤمر عليكم) اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاست ہمیشہ سماجی حالات کے تابع ہوتی ہے۔ اگر سیاسی شعبہ میں تبدیلی لانا ہے تو سب سے پہلے سماجی نظام میں تبدیلی لانا چاہئے۔ یہ دراصل سماج ہے جو سیاسی شعبہ کی تشکیل کرتا ہے، نہ کہ اس کے برعکس۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ حالات میں ملک کے مستقبل کے لئے اگر کوئی امید ہے تو وہ الیکشنی ہنگاموں اور سیاسی اکھیڑ پچھاڑ میں نہیں ہے بلکہ سماجی شعبوں کی خاموش تعمیر میں ہے۔ جو لوگ بھی ملک کا سچا درد رکھتے ہیں انھیں اسی ایک کام میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ اگر ملک میں مستحکم سماجی نظام قائم ہو جائے تو وہ غیر مستحکم سیاسی نظام کے باوجود ترقی کرتا رہے گا۔ اس کے بعد ملک کی ترقی کو کوئی روکنے والا نہیں۔

سوال

آج کل ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ ہو رہا ہے۔ ہر جگہ مسلمان ہی نقصان میں رہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہم کو مسلمان ہونے کی سزا دی جارہی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہونے کی بنا پر ہمارے خلاف یہ زیادتیاں کی جارہی ہیں۔ (نسیم علی خان، بمبئی)

جواب

قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات بالکل غلط ثابت ہوتی ہے۔ دور اول کے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے قرآن میں کہا گیا کہ: **وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم** (الشوریٰ ۳۰) یعنی جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس آیت کے مطابق، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب کسی مسئلہ سے دوچار ہو تو وہ مفروضہ دشمنوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس کی شکایت کرنے لگے۔ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے کہ کوئی شخص مستقل طور پر کسی کو نقصان پہنچانے میں کامیاب رہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی کی اپنی کمزوری دوسروں کو یہ موقع دیتی ہے کہ وہ اس کو اپنی ظالمانہ کارروائیوں کا نشانہ بنائے۔ جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے تو قرآن میں بار بار یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اہل ایمان اگر صحیح معنوں میں دینی روش پر قائم ہوں تو وہ کبھی بھی اغیار کے ظلم یا سازش کا نشانہ نہیں بنیں گے۔ اس سلسلہ میں قرآن سے چند حوالے یہاں نقل کئے جاتے ہیں، مثلاً قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ: تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو (آل عمران ۱۳۹) اسی طرح فرمایا: اللہ ہر گز کافروں کو مومنوں کے اوپر کوئی راہ نہیں دے گا (النساء ۱۴۱) مزید فرمایا کہ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو ان کی سازش تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گی۔ (آل عمران ۱۲۰) قرآن کے ان ارشادات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب بھی اغیار کے ظلم وزیادتی کا شکار ہوں تو ہمیشہ اس کا سبب خود مسلمانوں کے اندر ہوگا نہ کہ مسلمانوں کے باہر۔ اس اصول کی عملی مثال یہ ہے کہ دور اول کے مسلمانوں کو جب احد کی

جنگ میں جان ومال کا سخت نقصان پیش آیا تو قرآن میں اس کا سبب خود مسلمانوں کے باہمی نزاع کو قرار دیا گیا (آل عمران ۱۵۲) اسی طرح حنین کی جنگ میں ابتدائی مرحلہ میں مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو اس کا سبب بھی قرآن میں خود مسلمانوں کے عجب کو قرار دیا گیا (التوبہ ۲۵) قرآن کے یہ ارشادات واضح طور پر بتاتے ہیں کہ ایسے معاملات میں ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ ہم دشمنوں کی سازش کا انکشاف کرنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں اور نہ مفروضہ دشمنوں کے خلاف منفی کارروائیوں میں لگ جائیں۔ اس کے برعکس ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ ہم خود اپنا احتساب کریں۔ ہم اپنی داخلی کمزوریوں کو تلاش کر کے ان کی اصلاح کریں۔ یہی اس معاملہ میں قرآنی ذہن ہے اور یہی اس معاملہ کا قرآنی حل۔

سوال

آپ نے اپنی کتاب "اسلام دور جدید کا خالق" اور دوسرے کئی مضامین میں یہ لکھا ہے کہ جدید دور کی ترقیوں کے پیچھے مسلمانوں کا ہاتھ ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آج کی دنیا میں ان ترقیوں کے لئے مسلمانوں کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا ایسا تعصب کی بنا پر ہے۔

(عمران احمد اصلاحی، دہلی)

جواب

یہ کوئی تعصب کا معاملہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک سادہ فطری معاملہ ہے۔ ہر گھر میں اور ہر سماج میں آپ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کسی کو جو عزت ملتی ہے وہ اس کے آج کے کارناموں کی بنیاد پر ملتی ہے نہ کہ ماضی کے کارناموں کی بنیاد پر۔ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے جدید ترقیاتی دور کا آغاز کیا۔ لیکن اگلے مرحلے میں وہ زوال کا شکار ہو گئے۔ اگلے مرحلے کے تمام کام مغربی قوموں نے انجام دئے۔ اس لئے ہر طرف انھیں کا نام لیا جانے لگا۔ مثلاً ہزاروں سال سے انسان دریاؤں کو معبود کا درجہ دے کر ان کی پرستش میں مبتلا تھا۔ مسلمانوں نے یہ کام کیا کہ دریاؤں کو معبودیت کے درجہ سے ہٹایا۔ مگر پانی کو اسٹیم پاور میں بدلنے کا کام اہل مغرب نے انجام دیا نہ کہ مسلمانوں نے۔ اسی طرح

دنیا آفتاب پرستی میں مبتلا تھی۔ مسلمانوں نے انسان کو آفتاب پرستی کی ذلت سے نکالا۔ مگر آفتاب کو سولر انرجی میں تبدیل کرنے کا کام تمام تر اہل مغرب نے انجام دیا، وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا نام ماضی کی تاریخ میں تو ضرور لکھا ہوا ہے مگر حال کی دنیا میں ان کا کوئی چرچا نہیں۔ یہی معاملہ تمام ترقیات کا ہے۔ جن چیزوں کو تمدنی ترقی کہا جاتا ہے وہ سب فطرت کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں کو دریافت کر کے ان کو استعمال کرنے کا نتیجہ ہے۔ قدیم زمانے کا انسان فطرت کو معبود کا درجہ دیئے ہوئے تھا۔ اس بنا پر اس کے اندر فطرت کی تسخیر کا ذہن پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اہل اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فطرت کو معبود کے بجائے مخلوق کا درجہ عطا کیا۔ اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ تاریخ میں پہلی بار فطرت کی پرستش کے بجائے فطرت کی تسخیر کا عمل شروع ہو گیا۔ اسی کا براہ راست نتیجہ وہ تمام ترقیاں ہیں جو آج کی دنیا میں نظر آتی ہیں۔

سوال

اسلام کے معاشی نظریات جو شروع کے دور میں نافذ کئے گئے تھے کیا وہ نظام آج کے دور میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ جبکہ ساری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کا رواج ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ اسلام کے معاشی نظریات کو عصری اسلوب میں کس طرح پیش کریں گے۔ (ڈاکٹر کلیم انصاری، دھولیہ)

جواب

میرے نزدیک اصل مسئلہ نظام کا نہیں ہے بلکہ افراد کا ہے۔ نظام افراد کو نہیں بناتا بلکہ یہ دراصل افراد ہیں جو کسی نظام کو بناتے یا چلاتے ہیں۔ خود اسلام کے دور اول کی تاریخ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی جو لوگ (اسلامی نظام قائم کرو) کے نام پر نام نہاد انقلابی تحریکیں چلاتے ہیں اور مفروضہ مخالفین اسلام کو گولی مار کر یا پھانسی دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسلامی نظام قائم کرنے کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان کا یہ عمل اتنا زیادہ بے معنی ہے کہ وہ یا تو ان کی عقل کو مشکوک ثابت کرتا ہے یا ان کی نیت کو۔ چونکہ عقل پر شک کرنا اھون ہے اس لئے میں اس معاملہ میں اسی رائے کو اختیار کرتا ہوں۔ کیوں کہ اس طرح نہ کبھی اسلامی نظام قائم ہوا ہے اور نہ

وہ کبھی قائم ہو سکتا ہے۔ اسلامی نظام قائم کرنے کی طرف پہلا قدم انسان سازی ہے نہ کہ وہ توڑ پھوڑیا تخریبی سیاست جو آج اسلامی نظام قائم کرنے کے نام پر مختلف مسلم ملکوں میں جاری ہے۔ جہاں تک اسلام کے معاشی نظریات کو عصری اسلوب میں بیان کرنے کا سوال ہے اس پر موجودہ زمانہ میں بہت سی قیمتی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مثال کے طور پر ایم عمر چھاپرا کی کتاب:

Towards a just Monetary System. اس کتاب پر سعودی عرب کی طرف سے انعام بھی دیا گیا ہے۔ اس کہ علاوہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں اردو، عربی اور انگریزی میں چھپ چکی ہیں۔ کتابوں کے علاوہ اس موضوع پر کثیر تعداد میں مقالات اور رپورٹیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ مگر عملاً ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے افراد کار موجود نہیں۔ مثال کے طور پر اسلام کے معاشی نظام پر لکھنے اور بولنے والے لوگ خود اپنے آپ کو غیر اسلامی معاشی نظام کا پرزہ بنانے پر راضی ہو جاتے ہیں، صرف اس لئے کہ اسلام کا معاشی نظام قائم کرنے میں انھیں فوری طور پر ذاتی فائدہ ملتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جبکہ غیر اسلامی معاشی نظام کا پرزہ بننے میں فوراً ہی ان کو بڑے بڑے مادی فائدے ملنے لگتے ہیں۔

سوال

آج کل عالم اس کو کہا جاتا ہے جس نے نام کے ساتھ قاسمی، ندوی، مظاہری وغیرہ نسبتی لفظ لگا ہوا ہو۔ کیا عالم کی یہ تعریف درست ہے (مفتی محمد ظہیر قاسمی، ناندیڑ)

جواب

عالم ہونے کے لئے مدرسہ سے تحصیل علم کی شرط درست ہے۔ مگر یہ شرط درست نہیں کہ نام کے ساتھ قاسمی یا ندوی جیسا کوئی لفظ لگا ہوا ہو۔ نام کے ساتھ اس قسم کا لاحقہ لگانا اکابر علماء کی روایت نہیں۔ مثال کے طور پر مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا شبلی نعمانی جیسے افراد جو مسلمہ طور پر عالم تھے مگر انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ایسا کوئی لاحقہ نہیں لگایا۔

- ایک پروگرام کے تحت صدر اسلامی مرکز نے امریکہ اور یورپ کا دورہ کیا۔ یہ پانچ ہفتہ تک جاری رہا۔ اس سلسلہ میں وہاں کے مختلف شہروں میں خطابات اور ملاقاتوں کے پروگرام ہوئے۔ ان میں خاص طور پر اسلام کے دعوتی پہلو کی وضاحت کی گئی۔ امریکہ کے الرسالہ فورم نے الرسالہ مشن کو انٹرنٹ اور ویب سائٹ پر پہنچادیا ہے۔ اس کے ذریعہ عالمی سطح پر الرسالہ مشن کی اشاعت ہو رہی ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ سفر نامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔ یہ سفر ۲۴ مئی ۱۹۹۹ کو شروع ہوا اور ۳۰ جون ۱۹۹۹ کو ختم ہوا۔
- راشٹریہ سہارا (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر ظفر حسن نے ۱۶ اپریل ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ ہندستان میں مسلمانوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ یہ استحصال کی بات نہیں بلکہ قانون فطرت کی بات ہے۔ ہم کو چاہئے کہ محنت اور لیاقت کے ذریعہ اس کا سامنا کریں نہ کہ شکایت اور احتجاج کے ذریعہ۔
- ابوظبی میں یکم مارچ سے لے کر ۱۲ مارچ ۱۹۹۹ تک نویں انٹر نیشنل بک فیر ہوئی۔ اس موقع پر جناب ادریس محمد انصاری صاحب نے الرسالہ مشن کا بک اسٹال لگایا۔ اس کام میں ایک سعودی بک اسٹال (استاذ احمد ابوذھب) نے تعاون کیا۔ بک اسٹال بہت کامیاب رہا۔ بک اسٹال کی تمام کتابیں لوگوں نے حاصل کرلیں۔ بہت سے لوگوں سے تعارف حاصل ہوا۔ اس سے پہلے ۳ نومبر سے ۱۴ نومبر ۱۹۹۸ تک شارجہ میں زیادہ بڑے پیمانہ پر انٹر نیشنل بک فیر لگائی گئی تھی۔ اس میں بھی الرسالہ مشن کا بک اسٹال لگایا تھا جو بہت کامیاب رہا۔ شارجہ ٹی وی کے اردو چینل نے اسٹال کے فوٹو لئے اور ایک انٹرویو ریکارڈ کیا جس کو وہاں ٹی وی پر دکھایا گیا۔
- دو کتاب انگریزی میں زیر طبع ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی چھپ کر آجائے گی۔ ان کے نام یہ ہیں:
    1. Islam Rediscovered
    2. Al- Islam "Belief, System and History"

- دوردرشن (انٹرنیشنل) کی ٹیم نے ۲۰ مارچ ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر ریکارڈ کی۔ اس کا موضوع عید اضحیٰ تھا۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ عید اضحیٰ کی اسپرٹ قربانی ہے۔ اس سے لوگوں کے اندر یہ روح پیدا کرنا مطلوب ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفادات کو قربان کر کے دین کے مقاصد کو پورا کریں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔
- ۱۵ اگست ۱۹۹۹ کو ہندی اخبار دینک بھاسکرن کے نمائندہ مسٹر دیپ اپادھیائے نے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہندستان میں کسی اقلیت یا غیر اقلیت کو یہاں کے نظام سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر کسی کو خطرہ ہے تو صرف مفاد پرست لیڈروں سے ہے جو اپنے نادان اقدامات سے عوام کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں۔
- آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی نے ۸ جولائی ۱۹۹۹ کو ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس کا موضوع اسلام اور امن تھا۔ گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام امن کا مذہب ہے۔ اسلام میں دفاع کے سوا کوئی جنگ جائز نہیں۔
- مسوری میں لال بہادر شاشتری ایڈمنسٹریٹیو اکیڈمی کے تحت ۲۵ جولائی ۱۹۹۹ کو ایک انٹر فیتھ ڈائیلاگ ہوا۔ اس میں وہ لوگ شریک تھے جو آئی اے ایس کرنے کے بعد پروفیشنل ٹریننگ کے لئے یہاں آتے ہیں۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور اسلامی تعلیمات پر ایک تقریر کی اور لوگوں کے سوالات کے جواب دئے۔ مزید تفصیل سفرنامہ کے تحت آئے گی۔
- ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۸ کو زی ٹی وی پر (دہلی) کے اسٹوڈیو میں ایک پینل ڈسکشن تھا۔ اس کا موضوع کنورژن تھا۔ اس میں ــــ اسلام، ہندوازم اور مسیحیت کے نمائندوں نے حصہ لیا۔ صدر اسلامی مرکز نے اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی اور کنورژن کے موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔ بقیہ شرکاء کے نام یہ ہیں: ایم جے اکبر کوآرڈینیٹر، بیکنٹھ لال شرما پریم Tel. 2207269 فادر جوٹل ڈی کونھا Tel. 3366093

۱۰۔ میرٹھ کے مولانا شکیل احمد قاسمی نے دار العلوم کے دار الافتاء سے جاری شدہ ایک فتویٰ برائے اشاعت روانہ کیا ہے۔ اس پر تین مفتی صاحبان کے دستخط ہیں۔ یہ فتویٰ ایک استفتاء کے جواب میں ہے۔ جناب سید محمد ظفر نعیم (۴۱۴، پروہ فیاض علی، میرٹھ) نے اس تصویری قضیہ کے بارے میں ایک استفتاء دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کے نام روانہ کیا تھا۔ جس کی کافی وضاحت الرسالہ کے پچھلے شماروں میں آچکی ہے۔ اس استفتاء میں پوچھا گیا تھا کہ دہلی کے ہندی ہفت روزہ "پانچ جنیہ" (۲۹ نومبر ۱۹۹۸) میں مولانا وحید الدین کی جو تصویر چھپی ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ کیا یہ فوٹو ان کی مسلمان ہونے کی حیثیت پر سوالیہ نشان لگا رہا ہے۔ دار العلوم کے دار الافتاء کی طرف سے مستفتی کو جو جواب روانہ کیا گیا تھا اس کی نقل یہ ہے۔

فتویٰ دار العلوم دیوبند

نمبر ۱۱۶۳

الجواب وما بعد التوفیق: محض کسی کی قیاس آرائی پر مولانا وحید الدین خاں پر کوئی شرعی حکم لگانا درست نہیں۔ آپ براہِ راست مولانا موصوف سے دریافت کریں کہ اخبار "پانچ جنیہ" والے نے جو کچھ ان کے بارے میں تصویر دی ہے یہ کہاں تک صحیح ہے۔ یہ حقیقت ہے یا محض بدنام کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اور حقیقت ہے تو کہاں تک۔ کفر کا فتوی لگانا بہت اہم ہے۔ اسطرح اٹکل پچو اور قیاس آرائی پر یہ حکم لاگو نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جب تک خود ان کے قلم سے اور ان کے دستخط سے تصدیق نہ ہو۔ فقط

والله اعلم

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند

۱۴۱۹/۹/۲۲ھ

الجواب صحیح:

مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی

مفتی سید عبد اللہ کشمیری

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضہ ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو اور انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فیصد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں گے، اور صاحب ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زر تعاون الرسالہ

	INLAND		ABROAD	
	Urdu	English	Air-Mail	
	Rs.	Rs.	US $	£
1 Year	100	60	10	6
2 Years	195	120	20	12
3 Years	290	175	30	18
5 Years	480	280	50	30

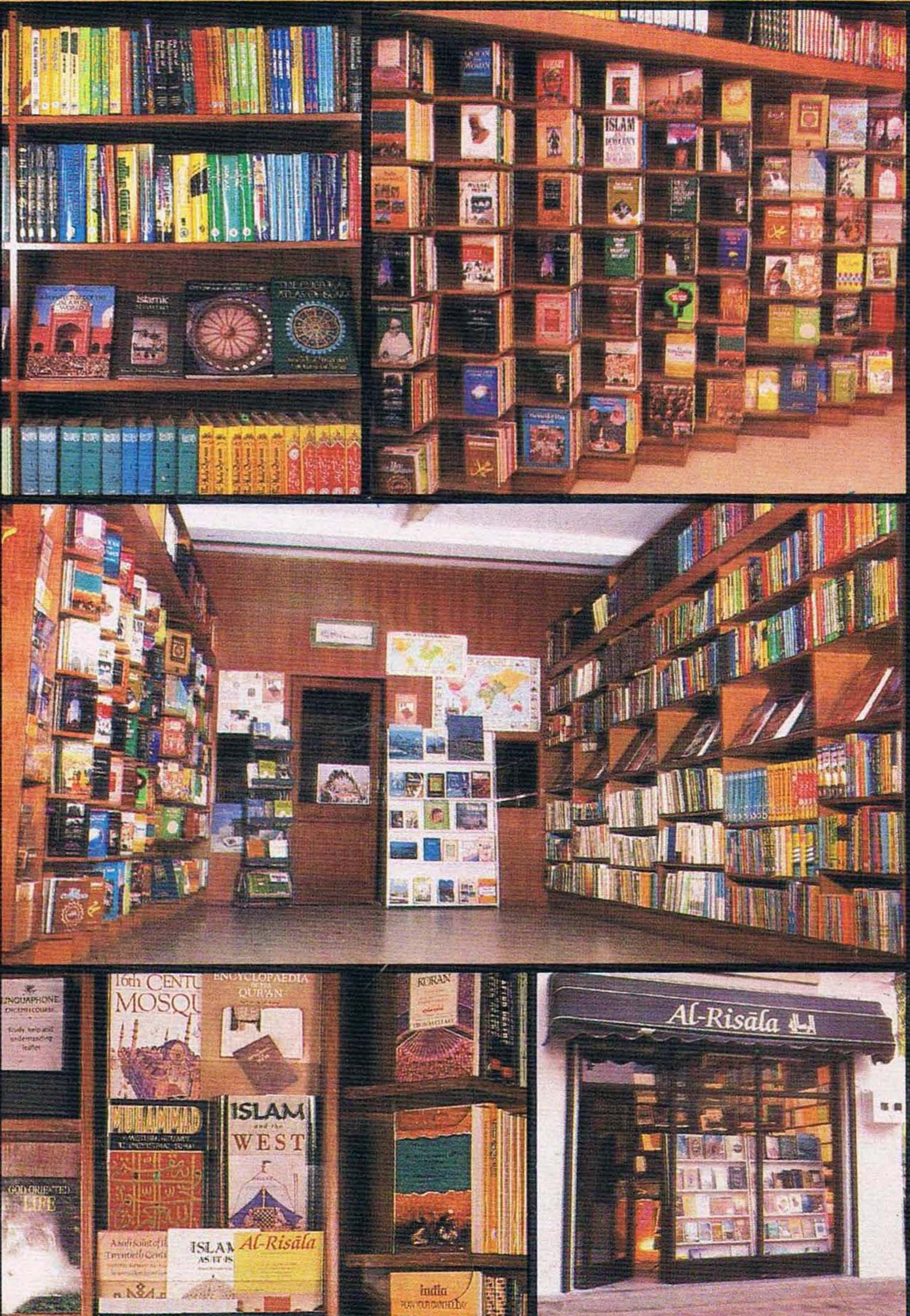
ISLAMIC BOOKS

Books by Maulana Wahiduddin Khan

Islam and Peace	Rs. 150.00
Principles of Islam	145.00
The Quran for All Humanity	75.00
Indian Muslims	65.00
Islam and Modern Challenges	95.00
Islam: The Voice of Human Nature	40.00
Islam: Creator of the Modern Age	55.00
Woman Between Islam and Western Society	145.00
Woman in Islamic Shari'ah	80.00
Islam As It Is	55.00
An Islamic Treasury of Virtues	195.00
Religion and Science	45.00
Man Know Thyself	8.00
Muhammad: The Ideal Character	8.00
Tabligh Movement	40.00
Polygamy and Islam	7.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	7.00
The Way to Find God	25.00
The Teachings of Islam	50.00
The Good Life	45.00
The Garden of Paradise	45.00
The Fire of Hell	45.00
Islam and the Modern Man	25.00
Uniform Civil Code	10.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	195.00
A Treasury of the Qur'an	75.00
Words of the Prophet Muhammad	75.00
Qur'an: An Abiding Wonder	125.00
The Call of the Qur'an	95.00
No End to Possibilities	145.00
Introducing Islam	195.00

The Qur'an Tr. T.B. Irving	Rs. 295.00
The Koran Tr. M.H. Shakir	195.00
Heart of the Koran by Lex Hixon	195.00
The Moral Values of the Quran by Harun Yahya	125.00
The Essential Arabic by Rafi'el-Imad Faynan	200.00
Presenting the Qur'an by Saniyasnain Khan	125.00
The Wonderful Universe of Allah by Saniyasnain Khan	85.00
The Soul of the Qur'an by Saniyasnain Khan	145.00
Tell Me About Hajj by Saniyasnain Khan	295.00
The Muslim Prayer Encyclopaedia Ruqaiyyah Waris Maqsood	325.00
After Death, Life! Ruqaiyyah Waris Maqsood	195.00
Living Islam: Ruqaiyyah Waris Maqsood	295.00
A Basic Dictionary of Islam Ruqaiyyah Waris Maqsood	295.00
The Muslim Marriage Guide Ruqaiyyah Waris Maqsood	250.00
The Beautiful Commands of Allah Ruqaiyyah Waris Maqsood	125.00
The Beautiful Promises of Allah Ruqaiyyah Waris Maqsood	175.00
Muslim Travel Guide (Forthcoming) Ruqaiyyah Waris Maqsood	—
Muhammad: A Mercy to all the Nations by Q. A. Jairazbhoy	250.00
A-Z Steps to Leadership by Abdul Ghani Ahmed Barrie	95.00
The Sayings of Muhammad by Sir Abdullah Suhrwardy	75.00
The Life of the Prophet Muhammad by Mohd. Marmaduke Pickthall	75.00

Finest collection of books on Islam



AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Tel. 4611128 Fax 4697333